ناولٹ

عفت سحر پاشا

آج سے بارہ سال پہلے جب بڑی آپا کی شادی ہوئی تب وہ فقط آٹھ سال کی تھی۔ اسے اس شادی میں کچھ ادھورے پن کا احساس تو ہوا مگر اس قدر ذہنی شعور ہی نہیں تھا کہ وہ تمام صورت حال سمجھ سکتی۔

خوبصورت قیمتی لباس اور ڈھیروں زیورات سے لدی پھندی بڑی آپا کوئی حور لگ رہی تھیں۔ پھر شادی ہو گئی مگر نہ تو بارات آئی اور نہ ہی دولہا' بڑی آپا بھی کہیں نہیں گئیں۔ بس اپنے کمرے سے وداع ہو کر پچھلے دالان والے کمرے میں منتقل ہو گئیں۔

اسے بڑی آپا سے بہت محبت تھی اور چونکہ وہ سب سے چھوٹی تھی اس لیے بڑی آپا کا پیار اس کے لیے بالکل ایک ماں کا سا تھا۔

دالان والے کمرے میں منتقل ہونے کے بعد سے تو جیسے آپا سارے رنگوں کو' خوشبوؤں کو' آئینے کو بھول ہی گئی تھیں۔ سفید لباس پہنے خود کو سفید ہی دوپٹے میں چھپائے وہ ہر وقت قرآن پاک کھولے بیٹھی رہتیں۔ کبھی جو اس کی کسی بات پر ہنسنا شروع کرتیں تو ہنستی ہی چلی جاتیں اور کبھی جو ان پر وحشت طاری

ہوتی تو پھر ان کی چیخیں پوری حویلی میں گونجا کرتیں' تب وہ خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھاگ آتی۔

پھر وقتاً "فوقتاً" بڑی آپا کی چیخیں راتوں کو بھی گونجنے لگیں تو اس نے ان کے پاس جانا چھوڑ دیا۔ حویلی کی نوکرانیوں سے اس نے دبے دبے الفاظ میں سنا تھا کہ بڑی آپا پر کسی بہت طاقتور جن کا سایہ ہو گیا ہے۔ تب وہ اور خوف زدہ ہو گئی تھی۔

دن مہینے اور پھر سالوں بیت گئے۔

وہ بانکپن اور خوبصورتی جو کبھی بڑی آپا کی شخصیت سے جھلکتی تھی وہ مزید نکھر کر اب شہر گل کی ذات میں سمٹ آئی تھی۔

بڑی آپا اب بے حد بدل گئی تھیں۔ پورے گوٹھ کی عورتیں ان سے دم کروانے اور تعویذ لینے کے لیے آتی تھیں۔ ہر وقت دالان میں عورتوں اور بچوں کا ہجوم رہتا تھا۔ وہ اب "اللہ والی" کے نام سے مشہور ہو گئی تھیں اور شہر گل......!

اسے اب آپا سے بالکل بھی ڈر نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ زندگی کے دوسرے عشرے میں قدم رکھنے تک اُسے حویلی کے تمام قوانین اور اصول ازبر ہو چکے تھے۔

اسے اچھی طرح پتا چل گیا تھا کہ حویلی کی لڑکیاں زرق برق لباس پہن کر زیورات سے لدی پھندی ہونے کے باوجود حویلی سے رخصت کیوں نہیں ہوتی تھیں۔ اسے یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ ان لڑکیوں کے دولہا اور باراتیں کیوں نہیں آتیں۔ اور یہ آگہی اسے سناٹوں میں دھکیل گئی تھی...... یہ بہت پہلے کی بات تھی اس نے کتنے اشتیاق سے اماں بی سے اجازت لی تھی آمنہ کی بہن کی بارات میں جانے کے لیے مگر انہوں نے اسے جھڑک دیا۔

"خبردار جو ان کمی کمین لوگوں میں جانے کا نام بھی لیا تو۔"

"تھوڑی دیر کے لیے اماں بی! کل آپ نے مایوں پر بھی جانے نہیں دیا۔" اس نے ضد کی تو وہ ماتھے پر ہاتھ مار کر غصے سے بولیں۔

"اتنا تو مجھے ان تینوں نے مل کر تنگ نہیں کیا جتنا اکیلی تو کرتی ہے شہر گل۔"

"اماں بی میری ساری سہیلیاں جائیں گی۔ بس تھوڑی دیر کو اماں بی۔" وہ ان سے لپٹ گئی مگر بابا سائیں کی اجازت کے بغیر ایک سانس بھی نہ لینے والی اماں بی بھلا اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر سکتی تھیں۔ تب ہی سب سے بڑے ادا فیروز کسی کام سے وہاں آئے تو اس کی ضد دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

"بڑے لاڈ ہو رہے ہیں اماں بی سے۔ خیریت تو ہے نا؟"

"ادا! دیکھیں ناں۔ اماں بی مجھے بارات دیکھنے جانے نہیں دے رہیں۔" وہ فوراً "منہ بسورنے لگی۔ ادا فیروز اس کی بات بہت کم ٹالتے تھے اس لیے اسے امید کی ایک کرن نظر آئی تھی۔

"کس کی شادی ہے؟" وہ بھنویں اُچکا کر پوچھنے لگے تو اس نے فر فر بتا دیا۔

"میری سہیلی ہے نا آمنہ اس کی بڑی بہن کی۔ آج بارات ہے۔"

"تو جاؤ نا۔ کس نے روکا ہے تمہیں۔" ادا فیروز کے اس قدر آسانی سے مان جانے پر وہ حیران تھی۔ اماں بی بھی گھبرا گئیں۔

"پر تمہارے بابا سائیں......" انہوں نے سمجھانا چاہا تو دیوار پر ٹنگی رائفل اتارتے ہوئے وہ پلٹے۔

"انہوں نے ہی کہا ہے۔ ساتھ میں نگار بھی جائے گی۔" ادا فیروز نے اپنی دوسرے نمبر والی بیوی کا نام لیتے ہوئے کہا پھر ساتھ ہی ان کی حیرانی دور کرنے کے لیے وضاحت بھی کر دی۔

"الیکشن سر پر ہیں اماں بی! ان کمی کمین لوگوں کو مٹھی میں رکھنے کے لیے بہت سے حربے آزمانے پڑتے ہیں۔ نور دین خود بابا سائیں کے پیر چھونے آیا تھا کہ آ کر اس کی دھی کے سر پر ہاتھ رکھ دیں۔ اسی لیے انہوں نے اجازت دی ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے یہ

دونوں ہو آئیں گی تو ہمارا نام ہو جائے گا۔ یہ نچلی ذات کے لوگ تو اسی سے خوش ہو جاتے ہیں۔"

وہ جو کچھ کہہ رہے تھے تب شہر گل کے پلے نہیں پڑا تھا۔ اسے تو اسی خوشی نے بے حال کر دیا تھا کہ وہ پہلی بار گوٹھ کی کسی شادی میں شرکت کرنے والی تھی۔

تب اسے پتا چلا تھا کہ شادی کیسے ہوتی ہے۔

آمنہ کی بڑی بہن دلہن بنی اتنی اچھی تو نہیں لگ رہی تھی مگر خوشی نے اس کے چہرے پر دلفریب سے رنگ بکھیر رکھے تھے۔ ڈھول باجوں کے ساتھ بارات آئی تو نگار بھابھی کے ساتھ صرف ایک وہی تھی جس نے پردے میں رہ کر دولہا اور باراتیوں کو دیکھا تھا۔

اس کے اندر عجیب سی الجھن سر اٹھانے لگی۔ اور اس روز اس نے گھر آکر اماں بی سے بڑی آپا کے شوہر کے متعلق استفسار کیا تو ان کا رنگ فق ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے اسے کمرے میں گھسیٹ لیا تھا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟"

"سچی اماں بی! نوری کا شوہر گھوڑی پہ بیٹھ کے آیا تھا۔ اور پھر آمنہ بتا رہی تھی کہ وہ نوری کو جاتے ہوئے ساتھ لے جائے گا۔ بڑی آپا تو کہیں نہیں گئیں؟" وہ معصومیت سے بولی تو انہوں نے اب کی بار اسے وہ ہنٹر لگا دیا۔

"خبردار جو اب کبھی یہ بکواس کی ہو تو۔ وہ پاک بی بی ہے۔ اسے ان فضول باتوں سے کیا واسطہ۔"

وہ ان کے انداز پر روہانسی ہو گئی۔

"مگر ان کی شادی تو ہوئی تھی اماں بی۔"

"ہاں ہوئی تھی۔ مگر ان کمین لوگوں کی طرح نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کے ساتھ ہوئی تھی۔"

"قرآن مجید کے ساتھ .....؟" اس کے حلق سے سرگوشی ہی نکل پائی تھی۔

"ہاں بڑی نصیبوں والی ہے وہ۔ اللہ کا خاص کرم ہوا ہے اس پر، دیکھا نہیں پورے گوٹھ کی عورتیں مرید ہیں اس کی۔ اللہ والی کہتی ہیں سب اسے۔ اللہ نے اپنی شفا رکھ دی ہے میری دھی کے ہاتھ میں۔" اماں بی کے انداز میں تفاخر سا سمٹ آیا تھا۔ وہ خوف زدہ سی تھی۔

"پر اماں بی! گوٹھ کی سب لڑکیوں کے تو دولہا آتے ہیں۔"

"ان نیچ لوگوں سے میری دھی کا کیا مقابلہ۔ وہ سب تو اس کے قدموں کی خاک بھی نہیں۔" اور پھر اماں نے اسے آئندہ اس موضوع پر بات کرنے سے سختی سے منع کر دیا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اسے حویلی کا ہر پوشیدہ راز معلوم ہوتا چلا گیا۔ پردوں والی گاڑی میں اسکول اور پھر کالج جانے تک اس کے اور سچائی کے درمیان کوئی پردہ نہیں رہا تھا۔

اس کے سامنے روتی بلکتی سیماب اور گلناز کا حق بخشوا دیا گیا تھا۔ یوں چھوٹے چچا کی حویلی کے پچھلے کمرے بھی "پاک کمرے" اور "اللہ والیوں" کے کمرے کہلائے جانے لگے تھے۔ پھپھی حسنہ کی اکلوتی اور خوبصورت بیٹی رحمہ کو چچا کے سب سے چھوٹے بیٹے سے بیاہ دیا گیا جو ابھی محض پانچ برس کا تھا اور رحمہ کو آپا کہہ کر بلاتا تھا۔

وہ شہر گل کی ماموں زاد نگین تھی۔

اس کی عزیز ترین سہیلی۔ جس کے دکھ نے اسے پہروں رلایا تھا۔ وہ ادا سالار کی تیسری بیوی بن کر حویلی میں آئی تھی۔ ظلم سا ظلم تھا کہ خود ادا سالار کی سب سے بڑی بیٹی نگین اور شہر گل کی ہم عمر تھی۔

وہ گھنٹوں بڑی آپا کی گود میں سر رکھے نگین شاہ کے دکھ پر روتی رہتی تھی۔ اپنے انجام کے خیال نے اس آنکھوں میں ایک خوف سا بھر دیا تھا۔

سب کی تقدیریں اللہ لکھتا ہے۔ کسی کو اپنے مستقبل سے متعلق کچھ خبر نہیں ہوتی مگر حویلی کی تمام لڑکیوں کو لگتا تھا کہ ان کی تقدیر حویلی کے مردوں کے ہاتھ میں ہے وہ جب جی چاہے کسی کی بھی زندگی کا فیصلہ کر ڈالتے تھے۔

"بڑی آپا! میرے لیے دعا کریں۔ میں ایسی زندگی نہیں گزار سکتی بڑی آپا! آپ دعا کریں کہ آپ کی شہر گل کی قسمت میں ایسا کوئی پاک کمرہ نہ ہو پلیز بڑی آپا!"

خوف اور دہشت کے مارے اسے کئی روز تک بخار چڑھا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

نگین کا رویہ اس قدر حوصلہ شکن تھا کہ شہر گل ششدر رہ گئی۔

"نگی! تم مجھ سے کیوں ناراض ہو، میں نے تو کچھ نہیں کیا۔" وہ آنکھوں میں آنسو لیے اپنی صفائی پیش کر رہی تھی۔ مگر نگین تو جیسے زمانے بھر کی تلخیاں گھول کر پی گئی تھی۔

"میں پہلے ہی بہت عاجز آچکی ہوں۔ مجھے اور تنگ مت کرو۔"

"میرا کیا قصور نگی؟ ہم سب کی تقدیر میں ہی یہ لکھ دیا گیا ہے۔ اللہ نے ہمیں رہنے کے لیے پوری دنیا دی ہے مگر اس حویلی کے مکین ہماری زندگیوں کو ایک کال کوٹھری میں مقید کر دینا چاہتے ہیں۔ یہ حویلی ہمیشہ راتوں کو ہذیانی چیخوں سے گونجتی رہے گی اور پچھلے کمرے آباد ہوتے رہیں گے۔ قرآن مجید جیسی عظیم اور پُر جلال کتاب کی حرمت کو اس قبیح رسم کے ذریعے مسخ کرنے والوں پر عذاب الٰہی کیوں نازل نہیں ہوتا؟ جس بیٹی کی تعظیم ہمارے رسول عربی نے ہمیشہ کی اسے ان ہی کے امتیوں نے قابل تضحیک بنا دیا ہے۔ کوئی کیوں اس شرم ناک فعل کے خلاف آواز نہیں اٹھاتا؟" وہ بلک رہی تھی مگر نگین تو جیسے پتھر ہو چکی تھی۔

"تم تو خوش ہو ناں! تمہیں کس بات کا دکھ ہے۔ زندگی میری برباد ہوئی ہے۔ سولی پر تو میں چڑھی ہوں۔ تمہاری زندگی میں تو کوئی سالار نہیں آیا۔" نگین کے زہر خند انداز نے اسے ساکت کر ڈالا۔

"نگین...!"

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ تم سب ایک جیسے ہو۔ بیٹیوں کا کاروبار کرنے والے...." وہ اپنا قابو کھو چکی تھی۔

شہر گل اٹھ کر بڑی آپا کے پاس آ گئی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا دل غم کی شدت سے پھٹ جانے والا ہو۔

"بڑی آپا! آپ تو اللہ والی ہیں۔ مجھ پر کوئی دم درود پھونکیں۔ کوئی تعویذ کریں۔ تاکہ میں بھی اندر سے مر جاؤں۔ بے حس ہو جاؤں۔ مجھے کوئی ظلم، ظلم نہ لگے۔ میں بھی حویلی والوں کے پاؤں چھو کر ان کی تعظیم کروں۔ میرے اندر سر پٹختی بغاوت دم توڑ دے۔ میں بھی صبر اور خاموشی کے ساتھ ان کمروں میں سے ایک کمرہ آباد کر دوں۔ دعا کریں بڑی آپا! آپ تو اللہ والی ہیں۔"

وہ بلک رہی تھی۔ بکھر رہی تھی۔ اور اپنی لاڈلی شہر گل کے دکھ کو بہت شدت سے محسوس کرتے ہوئے بہت عرصے کے بعد بڑی آپا کی آنکھوں کی زمین پر بھی برسات کا موسم اتر آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اپنی طرف سے بہت جلدی کرتے ہوئے بھی وہ بمشکل ٹائم پر تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچا تو بابا جان ہاسپٹل اور ماما اسکول جانے کو تیار بیٹھی تھیں۔

وہ زوردار آواز میں سلام کرتا کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"کس قدر بری نیند ہے تمہاری اویس! تمہیں تو ہفتہ کو اگر کہیں جانا ہو تو جمعہ کے روز ہی سے اٹھانا شروع کر دینا چاہیے۔" ماما کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ اسکول کی پرنسپل ہیں۔

"شکر کرو زرین! کہ یہ تمہارے اسکول میں نہیں پڑھتا۔" بابا جان نے ہنس کر کہا تو وہ ناشتے سے ہاتھ روک کر انھیں گھورنے لگا۔

"بابا جان! آپ بھی؟"

"ڈھنگ سے ناشتہ کرو۔ کیوں حلق تک بھر رہے ہو؟" ماما کی نظر اس کے ہر عمل پر تھی۔

"ٹائم دیکھیں آپ اور مجھے ان تین گھنٹوں میں نہ صرف واپس لاہور پہنچنا ہے بلکہ یونیورسٹی بھی جانا ہے۔"

وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے دیر ہونے کی ساری ذمہ داری ان ہی کے سر پر ہو۔

"ہاں بیٹا جی! آپ تو فجر کے ٹائم ہی تیار ہو بیٹھے تھے۔ میں نے ہی لوریاں دے کر دوبارہ سلا دیا تھا۔" ماما نے طنز کیا۔ وہ بے بسی سے بابا جان کو دیکھنے لگا۔ انہوں نے اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر فوراً دونوں ہاتھ اٹھا کر مدد سے انکار کر دیا۔

"دیکھو بھئی۔ مجھے تو خود تمہاری ماں نے سدھار رکھا ہے۔ اس لیے تم بھی خاموشی سے سن لو۔"

"چلو بھئی۔ جلدی کرو۔ باہر ڈرائیور کب سے تیار کھڑا ہے۔" بابا جان نے ٹائم دیکھ کر اسے احساس دلایا تو وہ جلدی جلدی چائے کے گھونٹ بھرنے لگا۔

بابا جان نے راستے میں اترنا تھا اس لیے وہ اس کے ساتھ جا رہے تھے۔ وہ اٹھ کر ماما کے آگے جھک گیا۔ انہوں نے بہت محبت سے اس کا رخسار اور پھر ماتھا چوما تھا۔

"خیال رکھا کرو اپنا۔"

"ڈونٹ وری ماما! بہت خیال رکھتا ہوں اپنا۔ آدھے گھنٹے سے پہلے تو آئینے کے سامنے سے ہٹتا ہی نہیں ہوں۔"

وہ انہیں بازو کے گھیرے میں لیے شرارت سے کہہ رہا تھا۔

"بابا جان! میں نے آپ سے لاہور شفٹ ہونے سے متعلق کہا تھا۔ کچھ سوچا آپ نے؟"

وہ ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرا دیے۔ پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ حیران ہوا۔

"مگر کیوں.....؟"

"بڑے شہر کے بہت مسائل ہوتے ہیں اویس! ابھی تم نے عملی زندگی میں قدم نہیں رکھا، اس لیے کچھ نہیں جانتے۔ اور پھر اس چھوٹے سے شہر نے ہمیں اتنی عزت دی ہے، وہ ہم کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔"

"اب زمانہ بہت بدل گیا ہے بابا جان!" وہ انہیں قائل کرنے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"زمانہ نہیں بدلتا بیٹا! لوگ بدل جاتے ہیں۔ رویے بدل جاتے ہیں، ہمارے سوچنے سمجھنے کے انداز بدل جاتے ہیں۔ یہ تو فقط ایک محاورہ سا بن گیا ہے کہ زمانہ بدل گیا ہے۔ ورنہ زمانہ تو لوگوں سے مل کر بنتا ہے۔ اور ہم لوگ تو بالکل وہی ہیں جو آج سے کئی سال پہلے تھے۔" وہ طمانیت سے کہہ رہے تھے۔

"پھر بھی بابا جان۔ وہاں سہولتیں بہت ہیں۔ ترقی کے چانسز بہت ہیں۔"

"سہولتیں تو آپ کہیں بھی بنا سکتے ہیں بیٹا! اگر بڑی بڑی فیکٹریاں اور کارخانے صرف بڑے شہروں میں لگانے کے بجائے ان چھوٹے شہروں میں لگا دیے جائیں تو سوچو بے روزگار نوجوانوں کو کتنی سہولت ہو جائے گی۔ اگر تم جیسے نوجوان تعلیم مکمل کرنے کے بعد ان شہروں میں جاب کریں تو کیوں نہ یہ شہر بھی ترقی کریں۔ مگر یہاں تو یہ حال ہے کہ نہ ٹیچرز پورے ہوتے ہیں اور ہاسپٹلز میں ڈاکٹرز....."

"یہ تو ہے....." وہ متفق ہوا تھا۔ انہیں ایکدم سے یاد آیا۔

"عمران ڈائجسٹ کا ایک حیرت انگیز سلسلہ"

ائیر ہوسٹس

اب دو حصوں میں شائع ہو گئی ہے،

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، ۳۷، اردو بازار کراچی

"تم سے میں نے ذکر کیا تھا ناں اداگلزار کا۔"

"تایا جان کا۔۔۔جی ہاں۔۔۔" استفہامیہ انداز میں پوچھتے پوچھتے اسے یاد آگیا تھا۔

"میری ان سے فون پر بات ہوئی تھی۔"

"اچھا۔۔۔کیا کہہ رہے تھے؟" اس کی آواز میں کوئی تاثر نہیں تھا۔

"پہلے تو کافی ناراض ہوتے رہے مگر پھر ان کا موڈ قدرے بہتر ہو گیا تھا۔" وہ مسکرا رہے تھے۔

"بابا جان! اب آپ ان سے رابطہ کیوں استوار کرنا چاہ رہے ہیں۔ جب کہ آپ کی اپنی ایک لائف ہے۔" اس کی آنکھوں میں الجھن سی سمٹ آئی۔

حویلی کے تمام اصول و قواعد کی کہانیاں وہ بچپن سے ماما اور بابا جان کی زبانی سنتا آرہا تھا۔

بابا جان نے ماما کے ساتھ اپنی پسند سے شادی کی تھی۔ اور پھر ماما سے کیے وعدے کو ایفا کرنے کی خاطر حویلی کی روایت کے مطابق کسی کزن سے شادی نہیں کی تھی۔ اسی وجہ سے انہیں برادری بدر کر دیا گیا تھا۔ حویلی کے کسی لڑکے کا لڑکی سے اور لڑکی کا لڑکے سے شادی سے انکار کرنا لڑکی کی موت اور لڑکے کو برادری سے نکال دینے کے قابل جرم تھا۔

اور اب اتنے لمبے عرصے کے بعد جب تینوں بچے جوان ہو چکے تھے' بابا جان کو جانے کیوں اپنا خاندان یاد آنے لگا تھا۔

"درخت چاہے کتنا ہی اونچا' کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو جائے بیٹا۔ جڑوں کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح انسان بھی کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرلے' کہیں بھی کیوں نہ بس جائے اس کا خاندان اس کا حوالہ ہوتا ہے۔ اس کے بغیر آپ کچھ نہیں ہوتے۔ اور پھر اختلاف رائے اپنی جگہ' اگر مل بیٹھنے اور رنجشیں دور کرنے کا موقع مل رہا ہو تو پھر کیوں بے جا انا دکھائی جائے۔ محبتوں کے آگے جھک جانے ہی میں بڑائی ہوتی ہے۔"

وہ اپنے مخصوص دوستانہ انداز میں اسے سمجھا رہے تھے۔ وہ ہنسنے لگا۔

"پھنسانہ دیجیے گا بابا جان! یہ نہ ہو کہ وہاں جا کر کوئی اور ہی چکر پڑ جائے۔ ماما تو قیامت کھڑی کر دیں گی۔" اس کی بات سمجھ کر وہ بھی ہنس دیے۔

"اب ایسا کچھ نہیں ہو سکتا مائی کڈ۔ جب ہو سکتا تھا ہم نے تو تب بھی نہیں ہونے دیا۔ میری منگیتر مجھ سے آدھی عمر کی بھی نہیں تھی۔ بالکل بچی تھی۔"

"وہی تو کہہ رہا ہوں اب تو وہ بڑی ہو گئی ہوں گی۔" وہ سر کھجاتے ہوئے بدستور شرارتی انداز میں بولا تو وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے تاسف سے سر ہلانے لگے۔

تب ہی ڈرائیور نے ہاسپٹل کے سامنے گاڑی روک دی تو وہ اس کی پیشانی چوم کر ہمیشہ کی طرح اسے اپنا خیال رکھنے کا کہتے ہوئے نیچے اتر گئے۔

"غلام محمد اب ذرا گاڑی کو اڑانا شروع کرو۔ جب تک میں سو کر اٹھوں ہمیں لاہور کی حدود میں ہونا چاہیے۔"

وہ ڈرائیور کو تنبیہہ کرتے ہوئے نشست پر نیم دراز ہو گیا۔ سونے میں تو اسے ہمیشہ چند لمحے ہی لگتے تھے۔۔۔اور واقعی جب ڈرائیور نے اسے جگایا تو وہ ناصرف لاہور کی حدود میں داخل ہو چکے تھے بلکہ اب ڈرائیور اس کے ارادے بھی پوچھ رہا تھا۔ اس نے جمائی روکتے ہوئے رسٹ واچ پر نگاہ دوڑائی۔ پھر کچھ سوچ کر سستی سے بولا۔

"فلیٹ کی طرف چلو یار۔ یونیورسٹی کل سہی۔"

اگلے پندرہ منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ خوبصورت بلڈنگ کے پارکنگ لاٹ میں موجود تھے۔

غلام محمد نے پھرتی سے دروازہ کھول کر اس کا بیگ نکالا تو وہ اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتا باہر نکل آیا۔

"بس کافی ہے غلام محمد! تم یہ رکھو۔۔۔" اس نے والٹ نکال کر اس میں سے دو سو روپے نکال کر اس کو تھمائے تھے۔

"راستے میں چائے وغیرہ پی لینا۔" بیگ مضبوطی سے تھامے وہ لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔ دوسری منزل تک پہنچ' لفٹ سے نکل کر فلیٹ میں داخل ہونے

تک وہ ایک موثر سی تقریر تیار کرتا رہا جو کہ یونیورسٹی پہنچ کر دوستوں سے اس کی جان بخشی کرا سکتی۔ کیونکہ وہ چار پانچ دنوں کا کہہ کر پورے دو ہفتوں کے بعد واپس لوٹا تھا۔ اور سارے فساد کی جڑ تو اویس کو سائیڈ ٹیبل پر خاموش پڑا موبائل فون لگ رہا تھا۔ جاتے ہوئے ہمیشہ کی طرح وہ کچھ اتنی افراتفری میں نکلا تھا کہ موبائل وہیں دھرا رہ گیا تھا۔ ستم یہ کہ سب فرینڈز کے پاس فقط موبائل نمبر ہی تھا۔ گھر کا فون نمبر دینے کی کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اس نے سب سے پہلے موبائل فون چارجنگ کے لیے لگایا اور پھر سفر کی تکان اور سستی دور کرنے کے لیے بیگ میں سے کپڑے نکال کر باتھ روم میں گھس گیا۔

☼ ☼ ☼

تیرا یوں روٹھنا
اس موسم گل میں کیا بتلائیں
کہ ہم سے دل فگاروں کو بڑی تکلیف دیتا ہے
تیرا یوں روٹھنا ہمدم!
کہاں تک ٹھیک ہے
ابھی تو عشق پہ اپنے بس ایک بہار گزری ہے
ابھی سے روٹھ جانا یوں تیرا کیا معنی رکھتا ہے
ابھی تو کتاب زیست کے
بہت اوراق خالی ہیں
انہیں رنگوں سے بھرنا ہے
یہ ساری خواہشیں دل کی
خدارا جان بھی جاؤ
چلو اب مان بھی جاؤ!

ہونٹوں کی تراش میں مسکراہٹ دبائے اس کا "معافی نامہ" سنتے سنتے بے اختیار روما ہنس دی تھی۔

"تھینک گاڈ! پورے دو ہفتوں کی محنت ٹھکانے لگی۔ اتنی مشکلوں سے یاد کیا تھا یہ سارا....."

وہ گہری سانس لیتے ہوئے طمانیت سے بولا تو روما نے اسے گھورا۔

"زہر لگ رہے ہو اس وقت اویس شاہ!"

"اور تم شہد....." اس نے شرارت سے کہا تو روما کو اپنی سنجیدگی برقرار رکھنا محال ہونے لگا۔

"تمہیں ذرا بھی خیال نہیں آیا کہ میں یہاں کتنی پریشان ہوں گی۔ اگر موبائل یہاں بھول ہی گئے تھے تو وہاں سے فون کر لیتے۔"

وہ واقعی خفا تھی اسی لیے تو پچھلے آدھے گھنٹے کی "محنت" کے بعد بھی مان نہیں رہی تھی اور اویس وضاحتیں کر کر کے نڈھال ہو رہا تھا۔

"ایمان سے رومی! جب کبھی میرے گھر جاؤ گی تو دیکھنا کہ وہاں جا کر کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔ وہاں محبتوں کا جادو پھیلا ہے اور پھر بابا اور ماما کی بات تو الگ حارث اور حمنہ آئے ہوئے تھے۔ وہ تو اپنے علاوہ کچھ اور سوچنے ہی نہیں دیتے۔ پتا نہیں کیسے دو ہفتے گزر گئے بھئی!" روما کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا پھر وہ دانت پیس کر غصے سے بولی۔

"اتنی آسانی سے تم "مجھے" بھول گئے تھے؟" وہ گڑبڑا کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"یہ میں نے کب کہا؟ میں تو ان دونوں کی بات کر رہا تھا کہ اور کچھ سوچنے ہی نہیں دیتے۔" اس نے وضاحت کی پھر قدرے بے چارگی سے بولا۔

"صبح سے عام لوگوں کو وضاحتیں پیش کرتا رہا ہوں اور اب تم مجھے خودکشی کی ترغیب دلا رہی ہو۔"

"تم بہت برے ہو اویس شاہ!"

وہ خفا خفا بہت دلربا لگ رہی تھی۔ اویس نے اس کے چہرے کو نظروں کی گرفت میں لیتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ معافی ہو گئی۔؟"

"دل تو نہیں چاہ رہا مگر....." وہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے رک سی گئی۔

"یہی آزمائشیں تو محبتوں کو مضبوط کرتی ہیں رومی! تھوڑی بہت جدائی ہونا چاہیے۔" وہ شرارت کے موڈ میں تھا۔

"اور چاہے میرا ہارٹ فیل ہو جائے۔" وہ خفگی سے اسے دیکھ کر بولی۔

ہر اک چیز بدل جاتی ہے عشق کا موسم آنے تک
راتیں پاگل کر دیتی ہیں دن دیوانے ہو جاتے ہیں

"بکواس۔۔۔"

"آزمائش شرط ہے۔" وہ فوراً بولا تھا۔

☆ ☆ ☆

نگین کو اپنے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر اسے تحیر کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی۔

"خدا کا شکر ہے نگی کہ تمہیں بھی میری یاد آئی۔" شکوہ آمیز لہجے میں کہتے وہ اس کو بازو سے تھامے اپنے پلنگ پر لے آئی۔

"بھئی ایک خوش خبری تھی۔ میں نے سوچا کہ میں خود تمہیں بتاؤں۔" اس کی بات سے قطع نظر شہر گل کو اس کے لہجے کی کھنک بہت اچھی لگی تھی۔ یہی نگین پہلے چڑیا کی طرح چہکتی پھرتی تھی مگر اب جب سے وہ اس حویلی میں بیاہ کر آئی تھی اس کی تمام چہچہاہٹ کھو گئی تھی۔

"تمہاری پڑھائی تو ختم ہو چکی اب یہ سب کیوں بکھیرے رکھتی ہو؟" وہ بستر پر پھیلی کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"پڑھائی ختم ہوئی ہے شوق نہیں۔" وہ مسکرا کر کہتے ہوئے کتابیں سمیٹنے لگی۔ اس نے بہت شاندار نمبروں سے بی اے کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ اب مزید پڑھنے کی اجازت تو نہیں تھی اس لیے مجبوراً وہ خود ہی کتابیں منگوا کر پڑھتی رہتی تھی۔

"اب ان کتابوں کو چھوڑو اور کچھ سلائی کڑھائی کا کام سیکھو۔" وہ مشورہ دے رہی تھی۔ شہر گل حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"وہ کیوں۔۔۔؟"

"بھئی۔ اپنے شوہر کے کام عورت کو خود کرنے چاہئیں ناں؟" نگین کے کہنے پر وہ استعجاب سے بولی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تمہارا شوہر پیدا ہونے والا ہے۔" نگین بے حد اطمینان سے بولی تو شہر گل نے ششدر ہو کر اسے دیکھا۔ وہ بڑے مزے سے اس تک "خوش خبری" پہنچا رہی تھی۔

"اب بس ڈیڑھ دو ماہ ہی رہ گئے ہیں تمہاری بات پکی ہونے میں۔ سب کو یقین ہے کہ زرمینہ چچی کے گھر اس دفعہ بیٹا ہی ہوگا۔ اور تو کوئی ہے نہیں۔ بابا سائیں نے اماں بی سے کہہ دیا ہے کہ تیاریاں کر رکھیں۔ اسی لیے تو میں کہہ رہی ہوں کہ کچھ سینا پرونا سیکھ لو۔ تاکہ منے سے دولہا میاں کے کرتے پاجامے ہی سی سکو۔"

"یہ کیا بکواس ہے نگی؟" بمشکل وہ بول پائی تھی۔

"ارے۔۔۔ میں تمہیں اتنی بڑی خوش خبری سنا رہی ہوں اور تم ناراض ہو رہی ہو۔" وہ حیران ہونے کی اداکاری کر رہی تھی۔ شہر گل کا جی چاہا اس کے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دے۔

"خاموش ہو جاؤ نگی! ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخ اٹھی۔

"ہاہ۔۔۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ "واقعی ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ بھلا آج تک کبھی اس حویلی میں ایسے گھٹیا کام ہوئے ہیں؟"

"نگی پلیز۔۔۔ ایسی باتیں مت کرو۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر منت بھرے انداز میں کہتے ہوئے رو دی۔

"اگر میرے خاموش رہنے سے حویلی کے رواج بدلتے ہیں تو تم بصد شوق مجھے قتل کر سکتی ہو۔" وہ لاپروائی سے کہتی اسے بے حد ظالم لگ رہی تھی۔

"مگر تم اچھی طرح جانتی ہو کہ اس حویلی کے قانون تمہارے باپ نے بنائے ہیں۔ اپنے آباؤ اجداد کی روایات کو زندہ رکھنے کے لیے۔ اور سارا خاندان اس میں بخوشی جکڑا ہوا ہے۔ جائیدادیں پھل پھول رہی ہیں۔ خاندان سے باہر شادی کرنا زنا کے برابر سمجھا جاتا ہے مگر صرف لڑکیوں کے لیے اور لڑکے اگر اپنی پسند کی غیر برادری کی لڑکی کو اٹھا بھی لائیں تو وہ مردانگی ہے۔ اعلا نسل کے گھوڑے دے کر کسی کی نوکرانی خرید لینا تو بہت عام سی مثال ہے اس حویلی کی۔ اور تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ بیس سالوں کے بعد تمہارا شوہر

جوان ہو جائے گا۔ اور تم سے تو صرف بیس سال ہی چھوٹا ہو گا۔ میرے جیسی قسمت تو نہیں ناں کہ بس راکھ میں چنگاریاں ہی ڈھونڈتی رہو۔"

اس کا لہجہ بلکنے لگا' کرلانے لگا مگر اس کی آنکھوں میں بہت وحشیانہ سی چمک تھی جیسے اسے شہر گل کا انجام بہت تسکین دے رہا ہو۔ ڈوبتی کشتی میں اسے اپنے ساتھ پا کر بہت طمانیت کا احساس ہو رہا ہو۔

اس نے نمکین کی باتوں کو کسی وقتی دورے کا اثر خیال کر کے خود کو طفل تسلیاں دیں مگر اگلے چند دنوں میں اسے پتا چل گیا کہ یہ ایک دلخراش حقیقت ہے اور بڑے چچا کی متوقع اولاد اگر بیٹا ہوا تو اس سے شہر گل کا رشتہ جڑنے والا تھا۔

وہ سنتے ہی ڈھے گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

انہوں نے جز کر فون پٹخا تھا۔ زرین ٹھٹک گئیں۔

"خیریت.....؟"

"موصوف کالام پہنچے ہوئے ہیں۔ اور ابھی مزید چھ سات روز تک آنے کا کوئی ارادہ نہیں۔"

"یہ سب آپ کی چھوٹ کا رزلٹ ہے۔ اب اتنی بھی کیا دوستی۔ ہے تو بیٹا ہی نا۔ ذرا لگام کھینچ کے رکھیں تو گھڑی کی سوئی سے ادھر ادھر نہ ہو۔" مگ میں چائے ڈال کر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے زرین نے ہمیشہ کی طرح صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"خیر۔ میں نے اس سے سیدھا حویلی پہنچنے کو کہہ دیا ہے۔ کچھ دن تو ہم بھی وہاں رہیں گے۔"

انہوں نے بات فوراً" پلیٹ دی تو زرین مسکرا دیں۔ پھر انہیں یاد دہانی کرائی۔

"حارث اور حمنہ تو بس تین چار روز کی چھٹیاں لے کر آ رہے ہیں۔ ان کے ایگزامز سر پر ہیں۔"

"مقصد تو حویلی والوں سے ملنا ہے نا۔ انہیں واپس بھجوا دیں گے۔ اتنے لمبے عرصے کے بعد جا رہے ہیں۔ میں تو ضرور وہاں ٹھہروں گا۔" وہ بے حد خوش تھے اور زرین انہیں دیکھ کر خوش تھیں۔

"اب خدا کرے کہ وہ لوگ مجھ سے بھی ٹھیک رویہ رکھیں۔ شوق تو مجھے بھی بہت ہے آپ کا گوٹھ اور حویلی دیکھنے کا۔" زرین کی بات پر وہ مسکرا دیے۔

"کچھ بھی نہیں ہو گا۔ جب ادا نے رضامندی ظاہر کر دی ہے تو مطلب یہی ہے کہ وہ پچھلی سب باتوں کو بھول چکے ہیں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ حویلی کی روایات بہت بدل چکی ہیں۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ حارث اور حمنہ کب آ رہے ہیں؟" انہوں نے بات پلٹی۔

"میرے اندازے کے مطابق تو رات آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک انہیں یہاں ہونا چاہیے۔ ڈرائیو تو علی الصبح ہی چلا گیا تھا۔" وہ رسٹ واچ پر نظر دوڑاتے ہوئے بولے۔

حمنہ اور حارث دونوں ہی اسلام آباد میں پڑھ رہے تھے۔ حمنہ ان کی طرح میڈیکل لائن میں تھی جب کہ حارث کو کمپیوٹر انجینئر بننے کا شوق چرایا تھا۔ اسی لیے وہ دونوں ہوسٹلز میں مقیم تھے۔ جبکہ اویس سب سے بڑا تھا۔ اور اپنی مرضی سے ایم بی اے کر رہا تھا۔ ہوسٹل اسے بھاتے نہیں تھے اس لیے وہ لاہور میں اپنے ذاتی فلیٹ میں رہائش پذیر تھا۔

وہ حویلی جانے کا پروگرام بنا بیٹھے تو پتا چلا کہ اویس دوستوں کے ساتھ شمالی علاقہ جات کی سیر کو نکل چکا ہے جب کہ حارث اور حمنہ بھی بمشکل ہی آ پائے تھے۔ اور دونوں ہی حویلی اور گوٹھ دیکھنے کے خیال سے بہت پرجوش تھے۔

☆ ☆ ☆

بلند و بالا اور شاندار سی حویلی اپنے تمام تر جاہ و جلال کے ساتھ بے حد سرد دکھائی دے رہی تھی۔ زرین نے کن اکھیوں سے بہزاد شاہ کو دیکھا۔ ان کی مسرت چہرے کے ہر تاثر سے جھلک رہی تھی۔

اور ان کے کہنے کے مطابق واقعی ان کا استقبال بہت گرم جوشی سے کیا گیا تھا۔ زرین اور حمنہ زنان خانے میں پہنچا دی گئیں جب کہ بہزاد شاہ اور حارث مردانے میں چلے گئے۔

لمحوں میں اجنبیت کی دیواریں گرتی چلی گئیں۔

بہزاد شاہ جب حویلی چھوڑ کر گئے تب سے اب تک ایک نسل جوان ہو چکی تھی۔ تمام چہرے نئے تھے۔ وہ بہت محبت اور بھیگی آنکھوں کے ساتھ اپنے قد سے اونچے بھانجوں اور بھتیجیوں سے مل رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"اویس شاہ! میں شوٹ کردوں گی کسی روز تمہیں۔"

وہ جب بہت غصے میں ہوتی تو اویس کو یونہی مخاطب کرتی تھی۔ اویس والٹ پینٹ کی جیب میں ٹھونستا اس کی طرف پلٹا اور بانہیں کھول کر شرارت سے بولا۔

"کسی روز کیوں؟ نیک کام میں دیر نہیں کرنا چاہیے۔"

چند لمحوں تک وہ اسے یوں گھورتی رہی جیسے آنکھوں سے برسٹ مارنے کا ارادہ ہو پھر کرنے کے سے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اچھی کوشش تھی۔ خاصی قاتلانہ ادا تھی۔ بندہ جان سے بھی گزر سکتا تھا۔"

وہ اسے سراہ رہا تھا۔ لبوں کی تراش میں دبی مسکراہٹ روما کو تپانے لگی۔

"زہر لگ رہے ہو اس وقت۔" وہ ہنستے ہوئے بیگ کی زپ بند کرنے کے بعد الماری کی طرف بڑھا اور اس کے لیے خریدی ہوئی کتنی ہی سوغاتیں لا کر اس کے سامنے ڈھیر کردیں۔ خوبصورت اونی ٹوپی، گرم شال، امی ٹیشن جیولری اور ڈھیروں ایسی ہی الم غلم اشیاء کے ساتھ ساتھ سوئٹس اور چاکلیٹ کے پیکٹ، ایک خوبصورت سا سفید ٹیڈی بیئر بھی تھا۔

وہ ان سب چیزوں کو ہاتھ لگائے بغیر یونہی چہرہ موڑے بیٹھی رہی تب وہ گہری سانس لے کر اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

"صرف ایک ہفتے کی بات ہے رومی! اگر بابا جان کی ناراضی کا ڈر نہ ہوتا تو کبھی نہ جاتا۔ یقین کرو۔"

"تم اب بالکل بھی یقین کے قابل نہیں رہے۔ ابھی پندرہ دن آوارہ گردی میں گزار کے آئے ہو اور اب گوٹھ جانے کو تیار بیٹھے ہو۔ اٹس ناٹ فیئر۔" وہ واقعی غصے میں تھی۔ کتنے ہی دنوں سے اس کے ساتھ ڈھنگ سے بات نہیں ہو پا رہی تھی۔ اور اب جب لوٹا تھا تو آتے ہی نئے سفر کی تیاری پکڑے بیٹھا تھا۔

ناراض مت ہوا کرو
یہ چاندنی کھلی کھلی چمک تمہارے رنگ کی
یہ سردیوں کی دھوپ سی تپش تمہارے روپ کی
اوپر سے یاسیت کا رنگ
ہمیں تو کچھ جچا نہیں
لبوں پہ مسکراہٹیں سجاؤ، خوش رہا کرو
ناراض مت ہوا کرو۔

وہ بڑے ناقدانہ انداز میں اس کے تاثرات کا "تجزیہ" کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح مسحور ہونے لگی۔

کس قدر اچھا لگتا تھا اس کا یوں خوبصورت لہجے اور جادو اثر لفظوں سے منانا۔ لمحوں میں وہ دل کو چھو جاتا تھا۔ دھڑکنیں منتشر کر جاتا تھا۔ اور تب روما خود کو بہت مجبور پاتی تھی اس سے ناراضی ختم کرنے پر۔

"اور اگر تم ایک ہفتے میں نہ لوٹے تو؟"

"تو جو چور کی سزا..." وہ فوراً بولا تھا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ آج کل چور پکڑے نہیں جاتے۔ سزا کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" روما نے اس کی لائی ہوئی چیزوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تو وہ ہنسنے لگا۔ پھر وہ یاد آنے پر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اویس! وہاں تو ابھی بھی وہی سسٹم ہے نا لڑکیوں کی شادیوں کا؟"

"پتا نہیں۔" وہ شانے اچکا کر کہتا اس کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"تم ذرا دھیان سے رہنا۔ یہ نہ ہو کہ کوئی تمہارے جوڑ کی بھی انہوں نے سنبھال رکھی ہو۔"

اس کے مذاق اڑانے والے انداز پر اویس نے اسے گھورا۔

"بد دعا دے رہی ہو؟"

"نہیں۔ میں تو دعا دے رہی ہوں۔" وہ معصومیت

سے بولی پھر ہنسنے لگی۔
"مائی ڈیر فیلو۔ وہاں ناپ تول کی شادیاں کم ہی ہوتی ہیں۔ بابا جان بتاتے ہیں کہ قسمت ہی سے اگر کسی کو ہم عمر شریک سفر مل جائے تو مل جائے ورنہ زیادہ تر تو بے جوڑ شادیاں ہی ہوتی ہیں۔"
اویس نے اسے حقیقت بتائی تو وہ محظوظ ہونے والے انداز میں بولی۔
"یعنی اگر واپسی پر تمہارے ساتھ کوئی نانی دادی ٹائپ کی خاتون ہو تو میں اسے مسز اویس شاہ سمجھ سکتی ہوں؟"
"لڑکی! اگر اس میں میرا نقصان نہ ہوتا تو میں اب تک تمہیں عالم بالا پہنچا چکا ہوتا۔" اویس نے اسے دھمکایا تو وہ ہنسنے لگی۔
"ویسے روبی ! میں خود بہت فیڈ اپ ہو چکا ہوں اس روٹین سے۔ تم سے بہت سی باتیں کرنا ہیں۔ بہت کچھ شیئر کرنا ہے۔ بس یہ آخری چکر ہے۔ اس کے بعد میں اس شہر سے ملنے والا نہیں ہوں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔
"میں بھی تمہیں بہت مس کروں گی۔"
وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی پھر اس سے جلدی واپس آنے کا وعدہ لینے لگی۔
"تم بھی دھیان رکھنا۔ میرے آنے تک کہیں ادھر ادھر ہی نہ ہو جانا۔"
وہ معنی خیز انداز میں بولا، تو اس کی بات سمجھتے ہوئے روما کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیل گئی۔
"میں بہت فیئر کھیلنے کی عادی ہوں اویس! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جس روز ہمارے درمیان کوئی تیسرا آگیا۔ ہم دونوں کا رشتہ اسی روز ختم ہو جائے گا۔ کوئی میری طرح تمہیں سوچے، دیکھے یا چھوئے۔ میں برداشت نہیں کر سکتی۔ میں اگر صرف تمہاری ہوں تو تمہیں بھی صرف میرا ہی ہونا ہوگا۔"
"اتنی محبت کے باوجود تم اس تیسرے کو بیچ سے ہٹانے کی کوشش نہیں کرو گی۔؟" وہ بہت دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

"کچھ داغ کپڑے کے دامن پر ہوں یا محبت کے دامن پر بہت پکا رنگ چھوڑ جاتے ہیں۔ اور مجھے داغ دار چیزیں پسند نہیں ہیں۔"
وہ بہت اطمینان سے اپنا مطمع نظر واضح کر رہی تھی۔ پھر اس سے پوچھنے لگی۔
"اگر میری طرف سے کوئی درمیان میں آجائے تو تم کیا کرو گے؟ اسے بیچ سے ہٹانے کی کوشش کرو گے یا۔۔۔؟"
"بالکل بھی نہیں۔۔۔" وہ تیز لہجے میں اس کی بات کاٹ کر بولا۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے روما کی بات سخت ناگوار گزری تھی۔
"تم ہمارے درمیان کسی اور کو لائیں تو یہ میری محبت کی توہین ہوگی۔ سمجھ لو اسی پل ہمارا ساتھ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔"
"تو پھر میں کیسے تمہارے نزدیک کسی کو برداشت کر سکتی ہوں؟"
وہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔ وہ گہری سانس لیتا مسکرا دیا۔

☼ ☼ ☼

"خدا کی پناہ۔۔۔ شہزاد اس قدر ظلم۔۔۔؟"
حویلی کی عورتوں کا طرز زندگی زرین کو ششدر کر گیا تھا۔ خود شہزاد شاہ بھی بہت پژمردہ ہو رہے تھے۔
"اس سے اچھی تو بھیڑ بکریاں ہوتی ہیں۔ قربانی تو ان کی ایک دن دی جاتی ہے مگر جب تک زندہ رہتی ہیں اپنی مرضی سے رہتی تو ہیں ناں۔ اف میرے خدایا۔ کس قدر جہالت ہے یہاں۔"
زرین کو یہ سب زمانہ جاہلیت کی باقیات لگ رہا تھا۔
"اتنی معصوم اور خوبصورت لڑکیوں کو سمجھیں زندہ درگور کر رہے ہیں یہ لوگ۔ یہ مسلمان تو لگتے ہی نہیں ماما! مجھے تو ڈر لگنے لگا ہے اس حویلی سے۔ رات کو اتنا عجیب سا شور ہوتا ہے۔" حمنہ میڈیکل کے

تیسرے سال میں تھی فطری طور پر نڈر تھی مگر حویلی کا سرد اور خاموش سا ماحول سب کے اعصاب پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ اوپر سے یہاں کی روایات اور اصول سونے پر سہاگہ تھے۔

"آپ تو کہتے تھے کہ یہاں سب کچھ بدل چکا ہوگا بہزاد! مگر یہاں تو ظلم اور بربریت کی حد ہے۔" زرین بے حد رنجیدہ تھیں۔ ٹینشن کا شکار تھیں۔ وہ خاموش ہو رہے۔ ادا گلزار کو کچھ کہنا آتش فشاں کو چھیڑنے کے برابر تھا۔ اس قدر وہ اپنے بزرگوں کی اقدار کو سینے سے لگائے رکھنے والے تھے۔

"اس قدر پیاری بچیاں ناکردہ سزائیں بھگت رہی ہیں۔" انہوں نے کہتے کہتے جھرجھری سی لی۔ "کل دوپہر شیریں آپا مجھے پچھلی کوٹھری میں لے گئی تھیں۔ وہاں میں نے روحینہ کو دیکھا۔ بہزاد! اللہ مجھے معاف کرے۔ وہ بالکل پاگل ہو چکی ہے۔ زنجیروں میں باندھ کے رکھا ہے انہوں نے اسے۔" وہ ان سے نظریں چرا گئے۔ مگر زرین واقعی افسردہ تھیں۔

"اس سے تو اچھا تھا کہ آپ اس سے شادی کر لیتے بہزاد! آپ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اسے کیا سزا ملے گی آپ کے اس عمل کی۔"

"دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تمہارا؟ میں اس سے شادی کیسے کر سکتا تھا؟ بالکل بچی تھی وہ تب۔" وہ سخت ناگواری سے بولے۔

"آپ اسے ساتھ لے جاتے۔ بعد میں اس کی کسی اچھی جگہ پر شادی کرا دیتے۔ بہت سے طریقے ہو سکتے تھے۔ یہاں سے کون سا کسی نے اس کی خبر گیری کو جانا تھا۔ چہ...... مگر ہم نے تب یہ کچھ سوچا ہی کب تھا۔"

"اب ان سب باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے ماما! گزرے وقت کو تو کوئی بھی واپس نہیں لا سکتا۔ ہاں اگر اب آپ کچھ کر سکتی ہیں تو کر کے اپنے ضمیر کا بوجھ کم کر لیں۔" حمنہ نے بہت سنجیدگی سے کہا تھا۔

"اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا حمنہ! اور ہم لوگ کر بھی کیا سکتے ہیں۔" زرین تو ویسے بھی بہت حساس تھیں۔ ذرا سی بات بھی دنوں ذہن پر سوار رکھتی تھیں' اس قدر ظلم اور انسانیت سے عاری سلوک کیسے دیکھ اور برداشت کر سکتی تھیں۔

"مجھے تو بیچاری شہر گل پر ترس آ رہا ہے۔ ادا گلزار میں تو ذرا بھی انسانیت نہیں ہے۔ بیٹی نہ سہی انسان ہی سمجھ کر ذرا عقل سے کام لے لیں۔ جوان لڑکی کا رشتہ اس بچے سے طے کر رکھا ہے جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوا۔ میں نے بات کی تو کہنے لگے کہ عورت کو اور چاہیے ہی کیا ہوتا ہے۔ عیش و آرام، دھن دولت اور پھر پندرہ بیس سال کے بعد شوہر بھی جوان ہو ہی جائے گا۔ یعنی عورت ان کے نزدیک فالتو ایک بالکل جذبات و احساسات سے عاری مخلوق ہے۔ جس کی زندگی صرف کھانا، پینا اور سونا ہے۔ اس بیچ عزت و تکریم کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"قسم سے ماما! یہاں ہر قبیح اور گھٹیا رسم موجود ہے میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ بیٹیوں کو زندہ دفنانا کیوں بھول گئے ہیں یہ لوگ۔"

حمنہ بھی سخت برگشتہ تھی۔

"یہ بھی اسی عمل کی شکل ہے بیٹا! پاک کمرے بھرے پڑے ہیں ایسی بیٹیوں سے جو زندہ دفنائی جا چکی ہیں۔ جن کے لیے وہ کمرے ہی زندگی ہیں اور وہی موت بھی ہیں۔"

زرین نے دکھ سے بوجھل لہجے میں کہا تو بہزاد شاہ امید بھری نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔

"میرے دل پر بھی بہت بوجھ ہے روحینہ کا انجام دیکھ کر۔ اگر تم چاہو تو ہم اس کی تلافی کی ایک کوشش کر سکتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" زرین نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھنے لگیں۔

"شہر گل کو بچا کر......"

"مگر کیسے......؟ ہمارے کہنے پر تو آپ کے ادا گلزار اپنی بات سے منحرف ہونے سے رہے۔ اتنے نیک تو ہیں نہیں۔" زرین کے لہجے میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔

"ہم شہر گل کو یہاں سے لے جا بھی تو سکتے ہیں۔" ان سے پہلے حمنہ نے جوش بھرے انداز میں حل پیش

کیا۔

"یہاں سے کوئی لڑکی تب ہی باہر جاتی ہے جب اس کی کہیں شادی ہو جائے یا پھر جنازے کی صورت میں۔" بہزاد شاہ نے گہری سانس لی تو وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔

"آپ کیا کہہ رہے تھے؟" زرین نے انہیں بغور دیکھا۔

"اتنی پیاری اور پڑھی لکھی بچی ہے شہر گل' اگر تم کہو تو میں ادا سے اویس کے لیے اس کے رشتے کی بات کروں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے بہزاد! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اویس ہم سے روما کے متعلق بات کر چکا ہے۔" زرین حیرت سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"روما کو تو بہت سے رشتے مل سکتے ہیں زرین! مگر گل کے لیے تو اویس ہی واحد سہارا ہے۔ تم نے گل کی حالت دیکھی ہے' خوف سے نچڑ کے رہ گئی ہے اور سوچو اگر گلباز شاہ کے ہاں بیٹا ہی پیدا ہو گیا تو کیا ہو گا۔ ایک اور روحینہ زنجیروں میں جکڑی پاگل پن کا شکار ہو جائے گی۔ ہمارے ہاتھ میں ابھی وقت ہے زرین! ہم چاہیں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اللہ نے ہمیں ایک موقع دیا ہے اپنے ضمیر کا بوجھ اتارنے کا۔ ہم روحینہ کو تو نہیں بچا سکے مگر شہر گل کو تو محفوظ کر سکتے ہیں ناں۔"

"مگر بابا جان! اویس بھائی روما آپی کو بہت پسند کرتے ہیں۔ وہ کبھی بھی راضی نہیں ہوں گے۔" حمنہ نے غیر جانبدارانہ رائے دی تھی۔

"یہ سب وقتی باتیں ہیں بیٹا! اور پھر گل میں کس بات کی کمی ہے۔ لاکھوں میں ایک ہے۔ تعلیمی ریکارڈ دیکھو تو حیران رہ جاؤ۔ اس قدر اچھی ہے وہ پڑھائی میں۔"

ان کے لہجے سے بھتیجی کے لیے پیار جھلک رہا تھا۔ مگر زرین کشمکش میں گھری ہوئی تھیں۔ اویس کی روما میں دلچسپی ان سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ وہ دونوں پچھلے تین سالوں سے ایک دوسرے کے بہترین دوست تھے اور اویس بہت دوستانہ انداز میں روما کو شریک زندگی بنانے کا ارادہ ظاہر کر چکا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اویس کبھی نہیں مانے گا۔"

"تم لوگ خود کو تیار کر لو۔ اویس کو میں منا لوں گا۔"

"مگر بابا! یہ اویس بھائی کے کرنے کا فیصلہ ہے۔" حمنہ نے احتجاج کیا تو وہ تلخی سے بولے۔

"ہم بس مانتے ہی نہیں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان سب رسموں میں ہمارا بھی بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔"

"ہمارا اس میں کیا قصور ہے بھلا؟"

"ایک ایسی لڑکی اس سسٹم کا شکار ہو جائے گی جسے بچانے کا اللہ ہمیں موقع دے رہا ہے۔" وہ تاسف سے پر لہجے میں بولے تھے۔

"لیکن یہ اس کے اپنے والدین کا فیصلہ ہے۔" وہ بولی۔

"حمنہ ہم اسے بچا سکتے ہیں مان لو اس حقیقت کو۔ اگر اویس اس سے شادی کر لے تو کیا وہ لڑکی بچ نہیں سکتی۔ کیا ہم ایک زندگی کو بچا نہیں لیں گے؟"

"یہ تو اویس بھائی پہ ڈیپنڈ کرتا ہے بابا جان!" وہ مدھم پڑ گئی۔

"اس سے پہلے یہ ہم پہ ڈیپنڈ کرتا ہے حمنہ! کسی سے کوئی بات منوانے کے لیے پہلے اپنے ویوز کلیئر کرنے پڑتے ہیں۔ تب ہی کامیابی مقدر بنتی ہے۔"

"اور اگر اویس نہ مانا تو؟" زرین نے انہیں دیکھا۔ تو وہ رسان سے بولے۔

"پہلے تم لوگ تو مان لو کہ ہمیں ایک زندگی کی حفاظت کرنی ہے۔ اسے ایک بے ہودہ اور قبیح رسم کا شکار ہونے سے بچانا ہے پھر سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

"ہمارے مان لینے سے کیا ہو گا؟" وہ ان سے نظریں چرا گئیں۔

"جب ہم خود کسی بات کی حقیقت کو دل و دماغ کی آمادگی سے تسلیم کر لیں تو ہمارے دلائل میں بہت پختگی آ جاتی ہے۔ اور کسی دوسرے کو سمجھانا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اپنے ہی دل و دماغ متفق نہ ہوں تو پھر دوسرے کا انکار بہت جلد ہمیں اپنے فیصلے

سے ڈگمگا دیتا ہے۔ تم سب سے پہلے مجھے یہ بتاؤ کیا تم گل کو بچانا چاہتی ہو؟" وہ بے حد سنجیدہ تھے۔

"گہری سانس لے کر زرین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر یہ فیصلہ ناگزیر ہے زرین! اسے بچانے کا اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔"

"ویسے اویس بھائی کو بھی اعتراض تو نہیں ہونا چاہیے۔ گل آپی میں کوئی کمی کوئی خامی نہیں ہے۔ جس کو بنیاد بنا کر وہ اعتراض کریں۔" حمنہ نے جھجکتے ہوئے رائے دی تھی۔

شام کو اویس بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ حویلی کی شان و شوکت دیکھ کر وہ بھی بہت مرعوب ہوا تھا۔ تاہم وہ حویلی کے رسوم و رواج سے اچھی طرح واقف تھا' مزید حارث اور حمنہ اسے رات کو ساری کہانیاں سنا چکے تھے۔

"تھینک گاڈ کہ باباجان یہاں سے بھاگ گئے تھے۔"

وہ کانوں کو ہاتھ لگا رہا تھا۔ حمنہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔

"ابھی تو رات کو دیکھیے گا' کوئی نہ کوئی ضرور رونا یا چلانا شروع کر دے گا۔ مجھے تو تین راتوں سے خوفناک خواب آرہے ہیں۔" حارث بے چارگی سے کہہ رہا تھا۔

"کسی کو ایک کمرے میں بند کر کے کہنا کہ یہ تمہاری ساری زندگی ہے' عیش کرو۔ کیا پاگل کر دینے کے مترادف نہیں ہے؟"

حمنہ نے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ متاسف لہجے میں بولا۔

"یقین نہیں آتا کہ یہ لوگ واقعی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔ میں تو یہاں کے مردوں کے ذہنی معیار کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ انہوں نے زندگی میں عورت کا تو کوئی حصہ رکھا ہی نہیں ہوا ہے۔"

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عورت کو نازک آبگینوں سے تشبیہ دی ہے حارث! یہ سب جو اس علاقے میں ہو رہا ہے امت مسلمہ کو زیب نہیں دیتا اللہ کا شکر ہے کہ ہم پچپن برس پہلے ہندوؤں سے الگ ہو گئے تھے ورنہ ہر مردکی میت کے ساتھ ایک عورت بھی ستی ہو رہی ہوتی' اس قدر پکے رنگ ہیں ہمارے ذہنوں پر ان کی تہذیب کے۔ آزادی نہیں تم از کم جینے کا حق تو ملنا چاہیے عورت کو۔" اویس بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"اور قرآن کریم جیسی جاہ و جلال اور عظمت والی کتاب کا یہ لوگ اس قدر غلط استعمال کر رہے ہیں کہ جہالت بھی منہ چھپائے پھرتی ہے۔ یہ صرف عورت کو بے بس کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ جب مقابل قرآن جیسی جاہ و حشمت والی کتاب ہوگی تو کون عورت مزاحمت کرے گی؟ اسی بے بسی کا تو یہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کاش کہ کبھی یہ ظالم اس کتاب کو کھول کر بھی دیکھ لیں تو انہیں پتا چل سکے کہ وہ اپنے آپ کو کس قدر خسارے میں ڈال رہے ہیں خود اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بننے کے لیے تیار کر رہے ہیں۔"

"ہم سب کچھ تو مدد کر سکتے ہیں ان لوگوں کی۔" حمنہ نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ گہری سانس لے کر تاسف سے بولا۔

"کاش کہ ہم کچھ کر سکتے کسی کے لیے... مگر یہ بالکل ناممکن ہے۔ جب تک ان ہی میں سے کوئی آواز نہیں اٹھے گی تب تک یہ شرمناک رسومات جاری رہیں گی۔"

☼ ☼ ☼

شہر گل کو دیکھ کر وہ ساکت رہ گیا تھا۔

اس قدر مکمل حسن۔

حزن کی آمیزش لیے وہ اس قدر مکمل لگ رہی تھی کہ وہ اردگرد کی پروا کیے بغیر کتنی ہی دیر اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

وہ زرین کو چائے دینے آئی تھی' وہیں اویس نے اسے دیکھا تھا۔

"یہ شہر گل ہے۔ تمہارے تایا جان کی سب سے چھوٹی بیٹی۔" اس کے جانے کے بعد زرین نے قدرے توقف کے بعد اسے بتایا تو وہ ستائش بھرے انداز میں بولا۔

"یہ تو بہت خوبصورت ہے ماما!"

"گریجویشن کر چکی ہے۔ بہت سویٹ نیچر ہے اس کی۔" ان کے مزید بتانے پر اویس نے متاثر ہونے والے انداز میں بھنویں اچکائی تھیں۔ پھر ہنس کر بولا۔

"اگر رومانہ ہوتی تو میں یقیناً" اس کے لیے آپ لوگوں سے جنگ لڑتا۔"

"واقعی یہ اسی قابل ہے۔" انہوں نے سر ہلا کر تائید کی پھر تاسف سے بولیں۔

"مگر اس کے ساتھ بھی ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہو رہی ہے۔" وہ استفہامیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"ابھی اس کے چچا کے ہاں اولاد نہیں ہوئی مگر اس کا رشتہ اس ہونے والے بچے سے طے کر دیا گیا ہے۔"

"واٹ۔۔۔" اویس کو جھٹکا لگا تھا۔

تب ہی بہزاد شاہ اندر داخل ہوئے تو اویس کو دیکھ کر مسکرا دیے۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی۔۔۔"

"یونہی بس ادھر ادھر کی باتیں۔۔۔ آپ کہاں تھے صبح سے۔۔۔؟" زرین نے ان سے پوچھا تو وہ بولے۔

"میں ادا کے پاس تھا۔ چند ضروری معاملات سلجھانے تھے۔ کچھ جائیداد وغیرہ کا مسئلہ تھا۔ مگر میں نے کہہ دیا ہے کہ مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے اللہ کے فضل سے ہر نعمت ہے ہمارے پاس۔"

"اچھا کیا آپ نے، پتا نہیں کتنی بددعائیں پل رہی ہیں ان زمین و جائیداد کی بنیادوں میں۔" زرین نے ان کے فیصلے کو سراہا۔

"بابا جان! آپ کو بھی پتا ہے کہ تایا جان نے اپنی بیٹی کی قسمت کا کیا فیصلہ کیا ہے۔؟"

اویس کی نظروں میں وہ حسن مجسم گھوم رہا تھا۔

"کون سی بیٹی کی بات کر رہے ہو اویس؟ یہ حویلی ایسی بیٹیوں سے بھری ہوئی ہے۔ ان سب فیصلوں کو یہ لوگ قسمت مانتے ہیں۔

ابھی تم نے ان حویلیوں کے پاک کمرے نہیں دیکھے اویس! تم تو فقط ایک لڑکی کے دکھ پر دکھی ہو رہے ہو' یہاں بیسیوں ایسی ہی زندگیاں سسک رہی ہیں۔ زنجیروں میں جکڑی پاگل پن کی حدوں کو چھوتی راتوں کو ہسٹریکل انداز میں چیختی زندگیاں۔ ذرا سوچو' ہم دیکھ کر ڈیپریس ہو رہے ہیں تو ان بیچاریوں کا کیا حال ہوتا ہو گا؟"

"بابا جان آپ تو سمجھا سکتے ہیں تایا جان کو۔" وہ واقعی سن کر دکھی ہونے لگا تھا۔

"جنہیں اسلام اور قرآن کچھ نہیں سمجھا سکا' ان کے دلوں پر لگی مہروں کو میں کیسے مٹا سکتا ہوں۔" وہ بے دلی اور شکستگی سے کہہ رہے تھے۔

"بہرحال یہ انسانیت سوز حرکت ہے بابا جان! اور نہایت شرمناک بھی۔"

"واقعی۔۔۔۔ پھر شہر گل کو اس قبیح فعل سے بچانا تو ثواب کا کام ہو گا نا؟" انہوں نے پوچھا تو وہ اٹل لہجے میں بولا۔

"بالکل بابا جان! یہ کوئی زمانہ جاہلیت تو نہیں کہ سب راضی بہ رضا جا کر بیٹی کو ریت میں دفن کر آئیں۔"

"تو پھر ہم گل کو یہاں سے لے جا سکتے ہیں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔ اویس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی چمک اٹھی۔

"آف کورس بابا جان! اس طرح وہ اس سسٹم کا شکار ہونے سے تو بچ ہی جائے گی۔"

"تو پھر تم گل سے شادی کر لو۔" وہ دفعتاً بولے۔ تو وہ ششدر سا انہیں دیکھنے لگا۔

"میں جب سے یہاں آیا ہوں' چین سے سو نہیں پایا اویس! روحینہ کی مظلومیت اور بے بسی میرے سینے پر ہاتھ مارنے لگتی ہے۔ سب کو نہیں تو جس کی استطاعت ہے' ہم اسے تو بچانے کی کوشش کر سکتے ہیں ناں۔" وہ حد درجہ مضمحل تھے۔ اویس بمشکل بول پایا۔

"آئی ایم سوری بابا جان! مگر میں یہ نہیں کر سکتا۔"

"مگر تمہیں کرنا ہے اویس! میری خاطر نہیں بلکہ انسانیت کی خاطر۔"

"زندگی کھیل نہیں ہوتی بابا جان! اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کیا چاہتا ہوں؟" وہ ابھی تک بے یقینی کی زد میں تھا۔

"تم جو چاہتے ہو' وہ بے شک کر لینا۔ مگر میری بات کا بھی مان رکھ لو۔"

ان کی بات پر وہ تاسف سے چند لمحوں تک انہیں دیکھتا رہا۔ پھر قدرے طنزیہ لہجے میں بولا۔

"آپ میں بھی خالص "شاہوں" والا ہلکا سا ٹچ باقی ہے بابا جان! مگر میں دو دو شادیاں افورڈ نہیں کر سکتا۔ یہ میری فطرت میں نہیں ہے۔"

"اسے پروٹیکشن کی ضرورت ہے اویس! اور اس کا ایک یہی حل ہے۔" زرین نے کہا تو وہ تلخی سے بولا۔

"یہ میری زندگی ہے ماما! اور یہ انتہائی اہم فیصلہ ہے جو میں بہت پہلے کر کے آپ کو بتا چکا ہوں۔"

"تم اسے پیپر میرج سمجھ لو اور بس۔" یکلخت ہی بہزاد شاہ نے کہا تو وہ استعجاب سے انہیں دیکھنے لگا۔

"یہ اسے یہاں سے نکالنے کی آڑ ہے۔ ایک واحد راستہ ہے۔ پھر ہم گل کی زندگی کا کوئی بہت اچھا فیصلہ کریں گے اس کی مرضی اور منشا کے مطابق۔" وہ بے حد آس سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"اٹس امپاسیبل بابا جان! میں یہ نہیں کر سکتا۔"

وہ اٹل انداز میں انکار کر رہا تھا۔ ان کے چہرے پر سرخی پھیلنے لگی۔ اسی شام اس نے واپسی کے لیے سامان باندھنا شروع کر دیا تھا۔ جب بہت خائف سا حارث اس کے پاس چلا گیا۔

"بھائی جان! آپ کیوں جا رہے ہیں؟"

"دل نہیں لگا یار! تمہیں کیا پریشانی ہے؟" وہ شرٹ تہہ کر کے رکھتے ہوئے ٹھٹکا۔

"یہ گل آپی مجھ سے تین چار سال بڑی تو ضرور ہوں گی۔ حمنہ آپی جتنی تو ہیں وہ۔ اور بابا جان کہہ رہے ہیں کہ ان کی شادی مجھ سے ہو گی۔"

حارث روہانسا ہو رہا تھا۔ اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"یقین کریں بھائی جان! پرسوں نکاح کر رہے ہیں میرا۔" وہ رو دینے کو تھا۔

ہاتھ میں پکڑی شرٹ پٹختا وہ سخت غصے سے دروازے کی طرف بڑھا۔

"میں خود بات کرتا ہوں ان سے۔" اور بابا جان کے سامنے جاتے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ بھی ہٹنے والے نہیں ہیں۔

"میں زبان دے چکا ہوں اویس! تم نے تو بڑی فرمانبرداری کا ثبوت دیا ہے۔ اب دوسرے بیٹے کو آزما لینے دو۔"

"آپ بھی حویلی والوں سے ہٹ کے فیصلہ نہیں کر رہے ہیں۔" وہ سلگا۔

"اٹس نن آف یور بزنس اویس شاہ!" وہ بے حد لاتعلقی سے بولے۔

"کم از کم عمروں کا یہ تفاوت اتنا تو نہیں جتنا گل باز شاہ کے ہونے والے بیٹے اور شہر گل کی عمروں میں ہو گا۔"

"مگر کیا یہ ضروری ہے کہ بیٹا ہی ہو۔ بیٹی بھی تو ہو سکتی ہے۔" وہ اس قدر "اٹل" پیش گوئی پر چڑ کر رہ گیا تھا۔

"ہاں....." وہ استہزائیہ انداز میں ہنسنے لگے۔ "بیٹی بھی ہو سکتی ہے۔ مگر اس کے نتیجے میں ساری عمر شہر گل کو پاک بی بی بن کے گزارنا پڑے گی۔ ایک بار رشتہ طے ہو چکا تو پھر دوسری جگہ شادی کی بات کرنا گناہ ہے عورت کے لیے....."

"یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے بابا جان!" وہ دبے دبے الفاظ میں بولا تو وہ بھڑک اٹھے۔

"انتہا ہوتی ہے بے حسی کی اویس! انسان بغیر رشتے کے کسی دوسرے کے دکھ پر تڑپ اٹھتا ہے' وہ تو پھر میرا خون ہے۔ اور تم کہہ رہے ہو کہ یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ شرم آ رہی ہے مجھے تمہارے خیالات پر۔"

میں نے یہ تربیت تو نہیں دی تھی تمہیں؟اور پھر اب تم اس معاملے میں انوالو نہیں ہو اس لیے جہاں جا رہے ہو جاؤ۔ میں اس مسئلے کا حل نکال چکا ہوں۔"

"بابا جان! حارث بہت چھوٹا ہے اس کی اسٹڈیز بلکہ وہ خود ڈسٹرب ہو کر رہ جائے گا۔" وہ زچ آگیا تھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں خود اسے سمجھاؤں گا۔" وہ اطمینان سے کہہ رہے تھے۔

"آپ اتنے شقی القلب تو کبھی بھی نہیں تھے۔ ذرا بھی خیال نہیں ہے آپ کو ہمارے جذبات و احساسات کا۔"

"تم ایک مرد ہو کر اپنے جذبات کی بات کر رہے ہو' ذرا شہر گل کے مسئلے کو ٹھنڈے دماغ سے سوچو اویس! کیا اس کا یہ قصور ہے کہ وہ اس حویلی میں پیدا ہوئی ہے؟ یا اس کا عورت ہونا اس کا جرم ہے؟"

"مگر بابا جان..... میں بہت مجبور ہوں۔ اگر میں کمیٹڈ نہ ہوتا تو شاید....."

"اٹس او کے۔ اب تو مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ تم جا سکتے ہو۔" وہ بے حد سرد انداز میں بولے تو وہ بے بسی سے انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

حارث کی حالت بہت بری ہو رہی تھی۔

"میں خودکشی کر لوں گا اگر یہ سب ہوا تو....."

وہ اویس کے گلے لگ کے رو دیا تھا۔ اویس ماما سے الجھنے لگا۔ مگر وہ بھی اس سلسلے میں بابا جان کی حامی تھیں۔ وہ منتشر ہوتے ذہن کے ساتھ کچھ سوچنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر کوئی بھی حل دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سوائے ہتھیار ڈال دینے کے۔

☼ ☼ ☼

تین روز ہو گئے تھے' وہ کمرے سے باہر نہیں نکلا تھا۔

ہر پل زندگی کا مزہ چکھنے والے کو زندگی نے مزہ چکھا دیا تھا۔ قسمت یوں بھی پلٹا کھا سکتی ہے اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اپنا آپ اسے اجنبی لگنے لگا تھا۔ کئی بار اس نے سوچا تھا۔

"یہ میں ہوں۔ اویس شاہ؟ میں جس نے کبھی جذباتیت کو اپنے پاس پھٹکنے بھی نہیں دیا۔ میں کیسے سرنڈر کر گیا۔ کیا فرق پڑ جاتا اگر یہ قربانی میری جگہ حارث دے لیتا۔ کاغذی کارروائی ہی تو تھی۔ کیا کر دیا ہے یہ میں نے۔ کیوں عقل سے کام نہیں لیا میں نے؟"

موبائل آف رکھنے کی وجہ سے وہ کسی سے بھی کانٹیکٹ میں نہیں تھا۔ حویلی سے واپسی کے بعد کے دن سے اس نے گھر والوں کا سامنا بھی نہیں کیا تھا۔ کھانے پینے کی اشیاء بھی حمنہ اس کے کمرے میں چھوڑ جاتی تھی۔ کئی بار اس نے اویس کو متوجہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس قدر غصہ میں تھا کہ وہ بیچاری ڈر کر واپس پلٹ گئی تھی۔

چوتھے روز وہ صبح صبح اپنا بیگ تیار کر کے لاہور جانے کو تیار تھا۔ زرین اس کا موڈ دیکھ کر ہول رہی تھیں۔ اسے چھوڑنے گاڑی تک آئیں تب بھی وہ ان سے مخاطب نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے خود ہی اس کی پیشانی چوم کر دعا دی تھی۔

"اویس! جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا بیٹا! اب یوں ری ایکٹ کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ سمجھو یہی اللہ کی مرضی تھی۔"

انہوں نے دبے دبے لفظوں میں اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تو وہ ابل پڑا۔

"یہ سب آپ لوگوں کی مرضی تھی۔ استعمال کیا ہے آپ لوگوں نے مجھے' میری زندگی کے قطعی ذاتی فیصلے پر اپنی ضد کو مسلط کیا ہے آپ نے صرف میری زندگی برباد کرنے کے لیے۔"

زندگی میں پہلی بار وہ ماں کے سامنے اس قدر برے طریقے سے بولا تھا۔ اس کی ذہنی کیفیت سے قطع نظر زرین کا دل چاہا' اسے ایک تھپڑ دے ماریں بمشکل وہ خود پر ضبط کر پائی تھیں کہ یہ صورتحال بہت برداشت سے ہینڈل کیے جانے والی تھی۔

"شاباش ہے تم پر اویس! اس قدر محبتوں اور نازوں سے پالنے کا یہ صلہ دے رہے ہو تم کہ شادی تمہارا

قطعی ذاتی فیصلہ بن گیا ہے۔ ہمارا کوئی حق نہیں رہا تم پر؟"

ان کے چبھتے ہوئے لہجے میں تاسف کی جھلک تھی۔ اویس نے کوئی جواب نہیں دیا' سر جھٹک کر "خدا حافظ" کہا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ بہت فرمانبردار اور محبت کرنے والے بیٹے کا یہ روپ زرین کی آنکھیں نم کر گیا تھا۔ انہوں نے آیتہ الکرسی پڑھ کر گیٹ سے باہر نکلتی گاڑی میں مقید اس کے وجود پر پھونکی تھی۔ وہ خود کو بہت سنبھال کر یونیورسٹی گیا تھا۔

"کیا بات ہے اویس! کچھ آؤٹ آف فارم ہو رہے ہو۔"

عامر نے کلاس سے نکلتے ہی اس کی کلاس لینا شروع کر دی تو وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ ہے کہ اس قدر بریلینٹ اور آؤٹ اسٹینڈنگ اسٹوڈنٹ کو سوا سطحی اگر بھری کلاس میں غائب دماغی کا طعنہ دے سکتے ہیں تو میں بھی یہ سوال پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں۔" عامر نے بہت تحمل سے طنز کیا تھا۔

ان چاروں میں کبھی کوئی بات "راز" نہیں رہی تھی۔ مگر اس وقت جانے کیسے اویس انہیں دغا دے گیا تھا۔ وہ کسی قیمت پر بھی اس واقعہ کی ہوا انہیں لگنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

"یار! صبح سے سوچ رہا ہوں کہ روما سے کیا کہوں گا۔ وہ تو جان کھا جائے گی میری۔"

اس نے پہلی بار ان کے سامنے روما کا نام لیا تھا۔ اس لیے وہ تینوں بے حد حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ روما میں اس کی دلچسپی سے واقف تھے مگر آپس میں اسے ڈسکس نہیں کرتے تھے۔ بہت جلد اویس کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔

"بھوک لگ رہی ہے یار! کینٹین چلو جلدی سے۔"

اس نے شور مچا کر ان کا دھیان بٹانے کی کوشش کی تو واقعی وہ اس میں کامیاب ہو گیا۔

"آج کا بل میرے ذمے۔" اویس نے دریا دلی دکھائی تو عدنان نے ناک پر عینک جماتے ہوئے گرہ لگائی۔

"کیوں آج کیا تمہاری دعوت ولیمہ ہے؟"

اویس کے اندر لحظہ بھر کو گڑبڑ سی مچی تھی۔ مگر اگلے ہی پل اس خود کو سنبھال لیا تھا۔ خود کو اتنی آسانی سے ظاہر کرنے والا تو وہ بھی نہیں تھا۔

"اگر زبان بند کر کے کینٹین میں نہ پہنچے تو یہ دعوت تمہارے سوئم کی بھی ہو سکتی ہے۔"

اویس کے لہجے کے ساتھ ساتھ دھمکی بھی خوفناک تھی۔ وہ تینوں خاموشی سے اس کے ساتھ چل دیے۔ کوریڈور سے نکلتے ہی سامنے سے آتی روما پر پہلی نظر عامر کی پڑی تھی۔ وہ بڑبڑایا۔

"اب ہو گا ہمارا بجٹ خراب۔" عدنان اور نجم کے متوجہ ہونے تک اویس بھی اسے دیکھ چکا تھا۔ روما کے قریب آنے سے پہلے ہی اس نے والٹ میں سے روپے نکال کر عامر کو تھما دیے۔

"تمہیں ہارٹ اٹیک نہ ہو جائے تم میں سے کسی کو۔" وہ ان سے الگ ہو کر روما کی طرف بڑھ گیا۔

وہ اس سے سخت خفا تھی۔ کتنی ہی دیر تک اسے سخت سست سناتی رہی اور وہ بالکل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

"اب کچھ تم بھی پھوٹو یا میں ہی بکواس کرتی رہوں گی۔" اویس کی خاموشی اسے چڑا گئی تھی۔ وہ ہنسنے لگا۔

"اور میں خوامخواہ اتنے غور سے سن رہا تھا۔ پہلے بتا دیتیں کہ یہ سب بکواس تھی۔"

"بہت برے ہو تم اویس شاہ!" وہ وہیں گھاس پر بیٹھتے ہوئے خفگی سے بولی تو گہری سانس لیتا وہ اس کے مقابل بیٹھ گیا۔ پھر اس کے چہرے پر نظریں دوڑاتے ہوئے تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں واقعی بہت برا ہوں روی! ناراضی تمہارا حق ہے۔"

"ہیں۔۔۔؟" روما کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔

"اٹس یو۔۔۔؟ امیزنگ اویس شاہ!"

"زیادہ پھیلو مت! ایکچوئلی اتنے دن تم سے دور رہا ہوں اس لیے کچھ زیادہ ہی اچھی لگ رہی ہو۔"

وہ آرام سے بولا۔ تو روما نے کتاب اٹھا کر اسے دے ماری۔

"خوش کرنے والے جملے میں بھی دل جلانے کا بندوبست ضرور کرتے ہو تم۔"

"چچ چ۔۔۔ کس قدر شوق ہے تمہیں اپنی تعریفیں کروانے کا۔ وہی عورت کی ازلی کمزوری۔"

اویس نے اس کا مذاق اڑایا تو وہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بڑے ناز سے بولی۔

"تو کیا میں تمہیں تعریفیں کرنے کے قابل نہیں لگتی؟"

سرما کی دھوپ میں دمکتا روپ اویس کے دل میں سکون بن کر اترنے لگا تھا۔ اسکن کلر گرم سوٹ پر براؤن جرسی پہنے شانوں پر لہراتے سیاہ بالوں کے ساتھ وہ بہت اچھی اور فریش لگ رہی تھی۔

"اے۔۔۔ کیا سوچ رہے ہو؟" روما نے اس کی خاموشی اور جامد نظروں سے اکتا کر اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"میں تمہاری تعریف کے بارے میں سوچ رہا تھا مگر کچھ ایسا ہے ہی نہیں کہ جس کی تعریف کی جاسکے۔" اس کے الفاظ نے روما کو دانت پیسنے پر مجبور کر دیا۔

"جی تو چاہتا ہے اویس شاہ کہ تمہیں دو نمبر والی بس پر بٹھا کر سیدھا گدو بندر روانہ کردوں۔" اس کے الفاظ پر وہ بے ساختہ ہنس دیا تھا۔

"اور تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آتی کہ میں اتنا زیادہ فاصلہ طے کر کے انگلش ڈیپارٹمنٹ سے یہاں آئی ہوں تم سے ملنے۔"

وہ یاد آنے پر اس سے جھگڑنے لگی تو اویس نے اسے درمیان ہی میں ٹوک دیا۔

"مائنڈ یو روما علی! ملنے تم مجھ سے آئی ہو شرم تمہیں آنی چاہیے نا کہ مجھے۔"

"اویس۔۔۔" وہ اس کی شرارت پر چلا اٹھی تھی۔ وہ ہنسنے لگا۔ "اب بتاؤ اتنے دن کیوں لگا دیئے وہاں؟" وہ خفا سے انداز میں اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

یک لخت ہی گزرے دنوں کی اذیت اس کے دل و ذہن کو جکڑ گئی۔ سامنے بیٹھی روما اسے خود سے بہت دور جاتی محسوس ہوئی تھی۔

"اور تمہارا وہ بیہودہ موبائل فون تو مجھے اپنی سوتن لگنے لگا ہے۔ مجال ہے جو تم سے رابطہ ہونے دے۔ اسے بیچ کر چنے کیوں نہیں کھا لیتے تم؟"

"بس یونہی کچھ دن لگ گئے وہاں۔ تم اسٹڈیز کا ساؤ کیسی چل رہی ہیں؟"

وہ فی الفور اس اذیت کے حصار سے نکلنا چاہتا تھا اس لیے بات بدل گیا۔ روما اسے گھورتے ہوئے اس کی بات کا جواب دینے لگی تھی۔ اس روز رات سونے سے پہلے کتنی ہی دیر وہ اس مسئلے پر سوچ بچار کرتا رہا تھا کہ اسے یہ سب روما کو بتانا چاہیے یا نہیں۔

"میں بابا جان سے بات کروں گا۔ اس کاغذی رشتے کو بھی اب ختم ہو جانا چاہیے۔ تب میں روما کو اصل بات بتادوں گا۔ اور پھر ابھی بتانے سے حاصل بھی کیا ہے سوائے ٹینشن کے۔"

تمام مسئلے پر اچھی طرح سوچ بچار کرنے کے بعد وہ بہت مطمئن ہو گیا تھا۔ شہر گل سے اس کا محض کاغذی رشتہ تھا۔ جو جب جی چاہے توڑا جاسکتا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ روما کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

✵ ✵ ✵

اس بار اس نے گھر فون کیا تو زرین سے بات ہوئی تھی۔

"بس ماما! اب بہت ہو گیا۔ آپ لوگ اسے وہاں سے نکالنا چاہتے تھے۔ اب وہ بالکل محفوظ ہے۔ اس کھیل کو بھی ختم ہو جانا چاہیے۔" اس کے صفاچٹ انداز پر زرین حق دق رہ گئی تھیں۔ پھر خود کو سنبھال کر رسان سے بولیں۔

"اتنی جلد بازی مت کرو اویس! اپنے تایا جان کی خصلت کا تو تمہیں پتا ہی ہے۔ اتنی جلدی پیچھا نہیں

چھوڑیں گے وہ۔ ابھی تو ہر چوتھے روز کوئی نہ کوئی آیا رہتا ہے حویلی سے۔ وہ لوگ پوری خبر رکھے ہوئے ہیں۔" وہ دانت پر دانت جمائے پہلے تو سنتا رہا پھر جھنجلا کر بولا۔

"تو میں کب تک یہ مصیبت سر پر ڈالے رہوں گا؟"

"انجوائے یور لائف بیٹا! تمہیں وہ کیا کہتی ہے۔ وہ بیچاری تو یہاں آکر ہی اتنی خوش ہے جیسے اسے نئی زندگی مل گئی ہو۔ تم اپنی اسٹڈیز پر دھیان دو۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اب کیا خاک ٹھیک ہوگا۔ ہر وقت ٹینشن رہنے لگی ہے مجھے۔" وہ بیزار ہو رہا تھا۔

"اب نیکی کی ہے تو اسے یوں بیزاری دکھا کر ضائع تو مت کرو۔" زرین نے اسے فوراً ٹوک دیا تو وہ جل کر رہ گیا۔

"میں نے کوئی نیکی نہیں کی ہے۔ بس اپنے بھائی کی محبت میں مار کھا گیا تھا۔ اب سوچتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ ناحق یہ قدم اٹھایا، یہی سارا معاملہ حارث کے ذریعے بھی سلجھ سکتا تھا۔"

"بہرحال اب تھوڑا سا صبر اور کرلو، میں نہیں چاہتی کہ تمہاری جلد بازی تمہارے بابا جان کو کوئی نقصان پہنچائے۔ حویلی والوں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ یقیناً تم بھی ایسا نہیں چاہو گے۔" زرین نے اسے ایک نئی فکر میں ڈال دیا تھا۔ وہ بے بس ہو کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر پہلے ہی عدنان، نجم اور عامر گئے تھے۔ کھانے کے جھوٹے برتن سنک میں رکھ کر جب تک وہ دروازے تک پہنچا تیسری بار ڈور بیل بج چکی تھی۔

"صبر کرو بھئی۔۔۔۔"

جھلا کر کہتے ہوئے اس نے لاک دباتے ہوئے ناب گھمائی تو دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی بابا جان کی صورت دکھائی دی۔ وہ ایک نظر انہیں دیکھنے کے بعد خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا۔

وہ خود اندر نہیں آئے بلکہ سائڈ میں ہو کر غلام محمد کو اندر داخل ہونے کا راستہ دیا جس کے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس تھا اور دوسرے شانے پر ایک بیگ لٹک رہا تھا۔

وہ قدرے حیران ہوا مگر بابا کے ساتھ اندر داخل ہونے والے سیاہ چادر میں ملفوف نسوانی وجود نے اسے شاکڈ کر دیا تھا۔ وہ بے یقینی سے بابا جان کو دیکھنے لگا۔

بابا جان کے اشارے پر شہر گل اندر بیڈ روم میں چلی گئی۔ اس کے تاثرات نقاب کی وجہ سے اویس نہیں دیکھ سکا تھا دوسرے وہ اس قدر بے یقینی کے حصار میں تھا کہ اسے کسی اور طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں تھی۔

"غلام رسول! یہ سامان رکھ دو اور تم نیچے جا کے گاڑی میں بیٹھو۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" غلام رسول نے بابا جان کے کہے پر فی الفور عمل کیا تھا۔

"یہ سب کیا ہے بابا جان؟" اس کے تمام حواس یک لخت بیدار ہوئے تھے آگہی کے در وا ہونے لگے تھے۔

"کیا ہے۔۔۔۔؟ ذرا سکون سے بیٹھنے تو دو۔" وہ بہت پرسکون تھے۔ مگر اویس کے ذہن کی طنابیں کھنچی ہوئی تھیں۔ شہر گل کا بابا کے ساتھ یہاں آنا ایک ہی بات ظاہر کرتا تھا۔

"بابا! آپ اسے یہاں کیوں لائے ہیں؟" اس نے بہت ضبط سے پوچھا تھا پھر بھی اس کی آنکھوں میں اترتی سرخی ان سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ صوفے میں دھنس کر وہ رسان سے بولے۔

"کیا میں اپنے فعل کا تمہارے آگے جوابدہ ہوں؟"

اویس نے لب بھینچے اور بازو سینے پر لپیٹ لیے۔ ٹینشن اس کے ہر انداز سے ظاہر تھی مگر انہیں تو جیسے اس کی کوئی پرواہ ہی نہیں تھی۔

"گل آگے پڑھنا چاہتی ہے۔" انہوں نے بہت اطمینان سے بات شروع کی۔

"وہ تو یہاں ہوسٹل میں رہنے کو بھی تیار تھی۔ لیکن مجھے پسند نہیں۔ جب ایک سہولت موجود ہے تو ٹینشن لینے کا کیا مطلب ہے۔"

یہ اویس کی برداشت کی آخری حد تھی۔ وہ چیخ کر رہ

گیا۔
"دس اینف باباجان۔ کیا آپ نے قسم کھالی ہے کہ صرف میری ہی ٹینشن بڑھائیں گے۔"
"کیا مطلب ہے تمہارا؟" ان کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ مگر اویس اس وقت قطعاً" جذباتیت کے موڈ میں نہیں تھا۔
"بابا! آپ اسے یہاں سے لے جائیں۔ میں کسی قیمت پر اسے یہاں رکھنے کو تیار نہیں ہوں۔ آپ جو چاہتے تھے' وہ ہو چکا ہے۔ اب اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔"
اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر بہت تلخی سے کہا تو ان کی آنکھوں میں حیرت اور غصے کے ملے جلے تاثرات اتر آئے۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ اس کے مقابل آکھڑے ہوئے۔
"یہ مت بھولو کہ وہ تمہاری بیوی ہے۔"
ان کے جتانے والے انداز نے اس کی رگوں میں شرارے دوڑا دیے اسے اپنی کنپٹیاں سلگتی محسوس ہونے لگی تھیں۔
"وہ فقط مجبوری تھی باباجان! بقول آپ کے فقط ایک کاغذی کارروائی۔ پھر اب آپ مجھے کیا یاد دلانا چاہتے ہیں؟"
"مجبوری تھی۔ اب تو نہیں ہے۔ تم لوگ ایک نارمل لائف گزار سکتے ہو۔" ان کے لب و لہجے کے سکون نے اس کے دماغ کی نسوں کو الاسٹک کی طرح کھینچ دیا تھا۔
"مجھے جو کرنا ہے' وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ مگر جو آپ چاہ رہے ہیں۔ وہ میں ممکن نہیں ہے۔"
اس کے لب و لہجے اور اٹل ودٹیلے انداز نے باباجان پر اس کی ذہنی و جذباتی کیفیت پوری طرح آشکار کر دی تھی۔ یک لخت ہی انہوں نے ٹریک بدلا تھا۔
"وہ ایک کاغذی کارروائی ہی سہی اویس! لیکن اب اسے یوں بیچ منجدھار میں بھی تو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ کیا فائدہ ہو گا اس قدر بولڈ اسٹیپ کا؟"
"تو اب کیا کرنا چاہیے ہمیں؟" اس کا انداز اب بھی بہت لاتعلق اور سرد سا تھا۔ انہوں نے مصالحانہ انداز میں کہا۔
"میں چاہتا ہوں کہ وہ مزید تعلیم حاصل کرے تاکہ کل کو اپنے مستقبل میں آپ اپنا سہارا بن سکے۔ ابھی تمہارا پورا سال باقی ہے۔ تب تک تو تم اسے سپورٹ کر سکتے ہو۔"
"مگر آپ بھی تو اسے سپورٹ کر سکتے ہیں۔" وہ جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں بولا تو انہوں نے بہت ضبط سے کہا۔
"میں تو اسے سپورٹ کر رہا ہوں۔ یوں تنہا تو نہیں چھوڑ سکتا اسے۔"
"مگر آپ میرے کندھے پر رکھ کر بندوق کیوں چلا رہے ہیں۔ وہ کسی ہوسٹل میں بھی رہ سکتی ہے۔"
"ایسی باتیں مت کرو اویس! کہ مجھے اپنی تربیت پر افسوس ہونے لگے۔ میں اسے یہاں اس لیے لے کر آیا تھا کہ مجھے تم پر ایک مان تھا کہ تم اس کے سامنے کبھی میرا سر نیچا نہیں ہونے دو گے۔"
وہ تلخی سے بولے تو اسے اپنا چہرہ تمتماتا ہوا محسوس ہونے لگا۔
وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس کی روما کے ساتھ کمٹ منٹ ہے اس کے باوجود وہ شہر گل کو اس پر مسلط کرنے پر مُصر تھے۔ یہ بھی نہیں سوچ رہے تھے کہ مستقبل میں یہ بات شہر گل کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اب وہ ہر کسی کو تو "کاغذی کارروائی" والی داستان نہیں سنا سکتے تھے۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پہلے بھی میں نے صرف آپ کی زبان کا پاس رکھا تھا۔" وہ قدرے ناراضی سے گویا ہوا تو انہوں نے اس کے شانوں پر محبت بھرا دباؤ ڈالتے ہوئے مسکرا کر کہا۔
"میں یونہی تو تم پر فخر نہیں کرتا۔ ہم ہمیشہ سے دوست رہے ہیں اور دوستوں میں ایک دوسرے کا مان رکھنا تو دوستی کا فخر کہلاتا ہے۔" اس کو ان کے لہجے کی سرخوشی اور بے حد مان کمزور کرنے لگا بہت سے احتجاجی الفاظ اندر سر پٹخنے لگے تھے۔

"لیکن بابا جان! اس کا یہاں رہنا مستقبل میں ہم دونوں کے لیے ہی پرابلم بن سکتا ہے۔" بہت مجبور ہو کر اس نے بمشکل اپنی الجھن کو الفاظ کا جامہ پہنایا تھا۔

"بیٹا! محبت وہاں ہوتی ہے جہاں اعتماد ہو۔ اینڈ آئی ہوپ کہ روما کو تم سے محبت ہی نہیں بلکہ تم پر اعتماد بھی ہے۔"

ان کے معنی خیز انداز میں کہنے پر وہ خاموش ہو گیا۔ کہنے کو تو اس کے پاس بھی بہت کچھ تھا' وہ ہٹ دھرمی اور بدتمیزی سے ان کو صاف انکار بھی کر سکتا تھا مگر اب جبکہ ایک بولڈ اسٹیپ لے ہی لیا تھا تو وہ کسی ناکامی کا الزام اپنے سر نہیں لے سکتا تھا۔ ابھی تو فی الحال اسے خاموشی ہی میں عافیت دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اگلے چند روز میں وہ پرسکون ہو کر اچھی طرح سوچنے کے بعد کوئی فیصلہ کر لے گا۔ جو اسے یقین تھا کہ شہر گل کو ہوسٹل بھیجنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو گا۔

☆ ☆ ☆

روما نے اسے عقبی لان میں جا لیا تھا۔

"ایسا کیا کر بیٹھے ہو اویس شاہ کہ یوں چھپنا پڑ رہا ہے تمہیں؟" اس کے طنز سے بھرپور انداز نے اویس کو محتاط کر دیا تھا۔ فائل اور بیگ رکھتے ہوئے وہ گھٹنے ٹیک کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"میں ابھی بس وہیں آ رہا تھا۔" اس نے روما کی خونخوار نظروں سے متاثر ہوتے ہوئے صفائی پیش کی تو وہ اسی انداز میں بولی۔

"مجھے تو لگ رہا ہے کہ تمہارا انگلش ڈیپارٹمنٹ میں کسی سے پردہ چل رہا ہے۔"

"شٹ اپ! دو روز سے تم خود چھٹی پر تھیں۔" اویس نے اسے گھورا تو وہ جتانے والے انداز میں بولی۔

"اور تم پچھلے دو روز ہی سے اپنی کلاس لینے بھی نہیں گئے ہو۔"

"اب تم یہ مت سوچنا کہ میں کہوں گا' تمہاری غیر موجودگی کی وجہ سے ڈیپارٹمنٹ کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ میرا موڈ نہیں ہو رہا تھا۔" اویس نے فوراً کہا تو روما نے اس کے بازو پر ہاتھ مارتے ہوئے اسے خشمگیں نظروں سے دیکھا۔

"اور یہ تمہاری کزن کا کیا چکر ہے؟" اس کا یہ سوال اس قدر اچانک تھا کہ اویس گڑبڑا گیا۔

"واٹ کزن....؟"

"وہی تو میں پوچھ رہی ہوں۔" روما کا انداز بدستور وہی تھا۔ اویس نے فوراً خود کو سنبھالا۔

"ہاں۔ میری کزن ہے ایک' اس نے بھی انگلش ڈیپارٹمنٹ میں ایڈمیشن لیا ہے۔ پریویس میں۔" اس نے بے حد سرسری انداز اپناتے ہوئے مختصراً بتایا۔

"ابھی میں نے اسے دیکھا تو نہیں لیکن ردا اس کی بہت تعریف کر رہی تھی۔" روما کے انداز میں ایسا کچھ تھا کہ اویس نے گھور کر اسے دیکھا۔

"تو پھر....؟"

"تو پھر یہ کہ تم اس سے میری دوستی کراؤ۔" وہ دھونس بھرے انداز میں بولی تو وہ اندر ہی اندر کراہ کر رہ گیا۔ پھر سختی سے بولا۔

"تم اس سے کبھی بات بھی نہیں کرو گی۔ دوستی تو بہت دور کی بات ہے۔"

"کیا مطلب ہے اس پابندی کا؟" وہ تحیر سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں نہیں چاہتا کہ تمہارا ذکر میرے گھر میں ہونے سے پہلے فیملی میں ہونے لگے اور یوں بھی وہ اور ٹائپ کی لڑکی ہے۔ بیک ورڈ سی تمہاری ٹائپ کی نہیں ہے۔" اویس نے جو ذہن میں آیا کہہ دیا۔ روما نے گہری سانس لے کر شانے جھٹکے تھے۔

"کیا میں ایز اے فرینڈ بھی اس سے نہیں مل سکتی؟"

"مجھے اچھا نہیں لگے گا رومی! میری اس سے کوئی فرینڈشپ نہیں ہے۔"

وہ ناچاہتے ہوئے بھی اس موضوع پر گفتگو کرنے پر مجبور تھا۔ مگر وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ روما جا کر شہر گل سے دوستی بڑھائے۔ وہ ابھی تک یہ طے نہیں کر پایا تھا

کہ روما کو اصلیت سے کس طرح آگاہ کرے اس لیے یہ پیش بندی ضروری تھی کہ اسے شہر گل سے دور ہی رکھا جائے۔

"پھر بھی اویس! مجھے اس کے ذریعے تمہاری فیملی کو جاننے میں ہیلپ ملے گی۔" اویس نے ناگواری سے دیکھا۔

"یہ کام تم میرے ذریعے بہترین طریقے سے کر سکتی ہو اور بائی دا وے تم مزید کیا جاننا چاہتی ہو؟"

"بس اب جلنا کڑھنا شروع کر دو۔" روما نے منہ پھلا لیا تھا۔ تمام تر ذہنی پراگندگی کے باوجود اویس کو اپنا موڈ ٹھیک کرنا پڑا۔

"اور یہ کام میں ہمیشہ تمہارے طفیل کرتا ہوں۔"

"اچھا یہ تو بتا دو کہ وہ تمہاری کس رشتے سے کزن ہے کہاں رہتی ہے وغیرہ وغیرہ۔"

روما کے سوالات غیر متوقع نہیں تھے۔ پھر بھی اویس نے بہت سوچ کر جواب دیا تھا۔

"میری تایا زاد ہے۔ لڑ جھگڑ کر آگے پڑھ رہی ہے۔ یہاں ہوسٹل میں رہتی ہے۔ بہت روڈ سی ہے اور چونکہ تایا جان کے ساتھ ہمارے فیملی ٹرمز کوئی بہت اچھے نہیں ہیں اس لیے میری ہائے ہیلو بھی واجبی سی ہے۔"

"یعنی یہ تمہارا فائنل فیصلہ ہے کہ میں اس سے دور ہی رہوں؟"

"بالکل۔۔۔" اویس نے فی الفور تائیدی انداز میں کہا۔ "میں کوئی بدمزگی نہیں چاہتا۔ کوئی تمہاری ریسپیکٹ نہ کرے' یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔"

"او کے جناب! جیسی آپ کی مرضی۔"

اس کے الفاظ نے پل بھر میں روما کو پھول کی مانند کھلا دیا تھا۔ اس کے کھلے کھلے انداز کو دیکھ کر اویس کو اپنے دھوکے اور غلط بیانی پر ندامت ہونے لگی اور اسی ندامت کو کم کرنے کے لیے وہ بہت فریش انداز میں بولا۔

"اور میں تمہاری اس فرمانبرداری پر تمہیں ایک بہت اچھی آفر کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا۔۔۔؟" روما نے استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تو وہ لحظہ بھر کے توقف کے بعد ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا۔

کسی دن میرے گھر آؤ
میرے کمرے میں بیٹھو
اور ہر اک شے کو دیکھو
بک شیلف میں پڑی ہوئی
کتابیں اور ڈائریاں
میز پر رکھی ہوئی تصویریں
اور گلدان میں مرجھائے ہوئے پھول
تمہیں بتائیں گے
دراز میں موجود کیسٹیں
دیواروں پر لگے کارڈ
تم پر عیاں کریں گے
کہ کیسے میرے ارمانوں نے تمہارے خواب دیکھے ہیں
اگر ہو سکے تو کسی دن میرے گھر آؤ۔

وہ خاموش ہوا تو روما کے ہونٹوں پر بہت محظوظ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"آفر ایکسپٹڈ۔"

"کون سی۔۔۔؟"

"بھئی۔ اب تو تمہارے گھر میں آکر دیکھنا ہی پڑے گا کہ کیا صورت حال ہے۔" اس کی بات پر اویس اپنی گردن سہلا کر رہ گیا۔ یک لخت ہی گھر کا ماحول یاد آگیا تھا۔ جہاں ایک وارڈ روب میں اب اویس کے ساتھ شہر گل کے کپڑے بھی لٹکے ہوئے تھے اور بک شیلف میں اس کی کتابیں بھی پڑی تھیں بمشکل ہونٹوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے اس نے ذہن سے سب کچھ جھٹک کر خود کو روما کی طرف متوجہ کیا تھا۔

✿ ✿ ✿

وہ کرخت تاثرات لیے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ شہر گل نے اسکارف ٹھیک کرتے ہوئے کن اکھیوں سے اس کے تاثرات نوٹ کیے تھے۔ اب چاہے وہ اس

سے لاکھ لاپروائی برتتا۔ بات نہ کرتا مگر یونیورسٹی پک اینڈ ڈراپ کی ڈیوٹی اس کو "مجبوراً" ہی سہی مگر ادا کرنا پڑتی تھی مگران دونوں مواقع پر وہ حد درجہ بیزار اور کوفت کا شکار دکھائی دیتا تھا۔

"تمہیں چاہیے کہ تم پوائنٹ کے ذریعے آیا جایا کرو۔ میں ہر وقت تو فارغ نہیں ہوتا اور نہ ہی میرے پاس فالتو ٹائم ہوتا ہے۔" اس کے لہجے میں بہت سرد مہری تھی۔

"جی۔۔۔" وہ بہت آہستہ سے بولی تو اویس نے لحظہ بھر کو لب بھینچے پھر اسی انداز میں بولا۔

"یونیورسٹی میں تمہیں کسی کے ساتھ دوستی کرنے کی یا زیادہ فرینک ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"جی۔۔۔" اس کا دل بھر آیا تو اس نے چہرہ جھکا کر اپنے ہاتھوں پر نظریں جمالیں۔ اس شخص کا احسان اس قدر بڑا تھا کہ وہ چاہے اب باقی ساری زندگی اسے اپنے قدموں میں بھی رکھتا تو وہ بخوشی رہنے کو تیار تھی۔ اپنے احسان کے بدلے میں وہ جو کچھ چاہ رہا تھا وہ تو بہت معمولی باتیں تھیں۔

"میں نہیں چاہتا کہ کوئی ہمارے متعلق بات کرے اور فیوچر میں ہم دونوں میں سے کسی کو کوئی پرابلم ہو۔" وہ کہہ رہا تھا۔ شہر گل نے بہت ہمت سے جواب دیا تو اس کا انداز تسلی آمیز تھا۔

"میں اس بات کا بہت خیال رکھتی ہوں۔ کسی کے ساتھ بات نہیں کرتی۔" قدرے توقف کے بعد وہ اسی اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔

"تمہیں پتہ نہیں کیا سوجھی ہے آگے پڑھنے کی۔ حویلی سے تو نکل ہی آئی ہو تم۔ ایک نئی لائف اسٹارٹ کر سکتی ہو۔"

"میں نے چچا جان سے کہا تھا۔ لیکن ان کا خیال ہے کہ مجھے مزید پڑھنا چاہیے۔" وہ دبے دبے لہجے میں بولی تو وہ سلگ اٹھا۔

"کیا تیر مار لو گی آگے پڑھ کے؟"

وہ خجل سی انگلیاں مسلنے لگی۔

"اگر آپ کو اچھا نہیں لگتا تو میں چھوڑ دیتی ہوں۔"

"میری پسند کا کیا سوال ہے اس میں؟"

اس کے لہجے میں تیزی اور سرد مہری آگئی تھی۔

اس کے انداز پر وہ سراسیمہ سی ہو کر خاموش ہو گئی۔ جبکہ وہ جھٹکوں سے گیئر بدلتا اپنا سارا غصہ اتار رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ ٹھیک ہے کہ شکل و صورت کے ساتھ ساتھ اللہ نے آپ کو ذہانت سے بھی دل کھول کر نوازا ہے مگر اتنے برے تو ہم بھی نہیں ہیں یار کہ دیکھنا بھی پسند نہیں کرتیں۔"

زوباریہ کا انداز شکوے سے پُر تھا۔ یہ لڑکی یونیورسٹی کے دوسرے دن سے اس کے ساتھ دوستی کے چکر میں تھی۔ مگر اویس کی ہدایات کے پیش نظر وہ کسی سے بھی بات نہیں کرتی تھی۔ لیکن زوباریہ کی موہنی صورت اور دلکش انداز گفتگو اسے اندر ہی اندر اس قدر بد تہذیبی پر شرمسار کرنے لگا۔

"ایکچولی میں اتنی جلدی مکس اپ نہیں ہو سکتی اس لیے۔۔۔"

"مگر میں بہت جلدی مکس اپ ہو جاتی ہوں۔ اس لیے تمہیں مجھ سے دوستی ضرور کرنا چاہیے۔"

زوباریہ کے انداز میں اپنائیت بھری دھونس تھی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اسے نظر انداز نہیں کر پا رہی تھی۔

"ہو سکتا ہے کہ تمہیں میری کمپنی اچھی نہ لگے۔" وہ پھیکے سے لہجے میں بولی تو زوباریہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"اور مجھے سو فیصد یقین ہے کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے۔" ساتھ ہی اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

"آئی ایم زوباریہ مسعود۔۔۔"

"شہر گل۔۔۔" اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا۔

"تھینک گاڈ۔ ورنہ میرا آدھے سے زیادہ وقت تو عامر کو کوستے ہوئے گزرتا تھا۔ اسی کے کہنے میں آکر میں نے ایڈمیشن لیا ہے۔۔۔"

وہ بہت جوشیلے انداز میں اسے بتانے لگی۔ اتنے

دنوں تک۔ سب سے الگ تھلگ اور چاپ چاپ رہنے کے بعد اب شہرگل کے کانوں کو اس کی آواز اور انداز بہت اچھا لگ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس واقعہ کے بعد اس کا ذہنی سکون تباہ ہو کر رہ گیا تھا۔ ٹن پیک سے فانٹا کے گھونٹ بھرتا وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔

"مگر میں ہی کیوں ....؟ میں کیوں اس قدر ٹینشن لے رہا ہوں۔ نہ تو ہم دونوں میں کوئی تعلق ہے نہ ہی کاغذی کارروائی کے علاوہ کوئی رشتہ .... یہ ٹھیک ہے کہ میں نے یہ سارا قصہ رومی سے چھپایا ہے مگر اس میں ایسا کچھ غلط تو نہیں۔ خوامخواہ اسے پریشان کرنے سے فائدہ؟ جب یہ سب ختم ہو جائے گا تو رومی کو بھی بتا دوں گا۔ ویسے بھی ساری بات اعتماد کی ہوتی ہے۔ رومی مجھے اچھی طرح جانتی ہے میں اس کے علاوہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا اور پھر ہے ہی کیا میرے اور شہرگل کے درمیان فقط ایک سمجھوتا۔ ایک بے گناہ لڑکی کی سیکورٹی اور پروٹیکشن کے لیے اٹھایا گیا ایک قدم۔ یقیناً" رومی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور جب ایک ذمہ داری سر لے ہی لی ہے تو اس جھنجلاہٹ اور بیزاری کا انجام صرف اور صرف ذہنی اذیت ہے اور کچھ نہیں۔ کیا فائدہ اس قدر سر پر سوار کرنے کا.... اب تو فقط جلد سے جلد اس سب کے ختم ہونے کا انتظار کرنا ہے۔ موقع دیکھ کر رومی کو بھی بتا دوں گا۔"

بہت سا سوچنے اور کچھ فیصلے کرنے کے بعد خود کو ریلیکس محسوس کرتے ہوئے اویس کو حقیقتاً" خوشی ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بے اختیار ہی کچن سے نکلتی شہرگل کو مخاطب کر بیٹھا تھا۔

"بات سنو۔" اس نے پکارا تو چائے کے چھلکتے مگ کو شہرگل نے بمشکل قابو کیا تھا۔ اتنے دنوں کی سرد جنگ کے بعد یہ پہلے دو لفظ وہ خود سے بولا تھا۔ شہرگل کے تاثرات دیکھ کر وہ بھی سنبھلا تھا۔

"یونیورسٹی میں کوئی پرابلم تو نہیں؟" اویس کا لہجہ بہت سپاٹ اور کسی بھی جذبے سے عاری تھا مگر شہرگل کے لیے تو گویا خوشیوں کا خزانہ کھل گیا تھا کہ اس کا مخاطب ہونا ہی بہت بڑی بات تھی۔

"جی نہیں۔" وہ کہہ کر وہیں کھڑی رہی کہ شاید وہ مزید بات کرے لیکن وہ سرہلاتا بیڈ روم میں چلا گیا۔ تو وہ وہیں صوفے میں دھنس گئی۔

اویس کے لیے اس کے دل میں بہت عزت تھی۔ وہ اسے بہت اچھا، بہت عظیم لگتا تھا۔

اس نے ایک لڑکی کو زندہ درگور ہونے سے بچا لیا تھا۔ اسے جینے کے لیے ایک نئی دنیا دی تھی۔ جہاں اسے حال کا غم نہیں تھا اور نہ ہی آنے والے وقت کا خوف ستاتا تھا۔

چائے پیتے ہوئے وہ مسلسل اسی کے متعلق سوچ رہی تھی۔ حمنہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ کسی لڑکی کو پسند کرتا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس کے باوجود اس نے شہرگل کے لیے اتنی بڑی قربانی دی تھی۔

"خدا کرے اویس شاہ! زمانے بھر کی خوشیاں تمہارا نصیب بنیں۔ تم اس مقام پر پہنچو جو تم سوچتے ہو۔"

اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں نمی چمک اٹھی تھی۔

☆ ☆ ☆

رات گیارہ بجے روما کو گھر ڈراپ کرنے کے بعد وہ بہت عجلت میں پلٹا تھا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے ایک نظر سامنے ٹائم پر ڈالی تو کوفت سے لب بھینچ کر رہ گیا۔

روما کے اصرار پر وہ میوزک کنسرٹ میں چلا تو گیا تھا اور یہ حقیقت تھی کہ وہاں انجوائے بھی بہت کیا تھا مگر اب یک لخت ہی اسے شہرگل کا خیال آیا تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ کبھی روما اور کبھی دوستوں کے ساتھ جب تک جی چاہتا باہر رہتا تھا مگر جب سے شہرگل آئی تھی، اس نے اپنی اس روٹین میں بادل نخواستہ تبدیلی کر لی تھی۔ مگر آج تو روما سے کیا وعدہ پورا کرتے اسے ایک

لمحے کو بھی شہر گل کے اکیلے ہونے کا خیال نہیں آیا تھا۔ اور اب روما کے سامنے سے ہٹتے ہی وہ یاد آ گئی تھی۔

فلیٹ کی ایک چابی وہ اپنے پاس ہی رکھتا تھا اس لیے اسے اندر داخل ہونے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی۔

ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی اور ہیٹر دونوں آن تھے اور شہر گل کارپٹ پر فلور کشنز رکھے کمبل میں لپٹی وہیں سو رہی تھی۔ پاس ہی چند کتابیں بھی پڑی تھیں۔

اس نے گہری سانس لے کر ہیٹر آف کیا۔ پھر صوفے پر پڑا ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کی آواز بڑھانے لگا۔ بے ہنگم سے شور سے گھبرا کر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ چند لمحوں تک تو اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھی۔ پھر اویس کو سامنے دیکھ کر گھبرا گئی۔

"آپ کب ___ کیسے آئے؟"

"ایک چابی ہے میرے پاس۔" وہ آواز کم کر کے مختصراً بولا اور وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کھانا لاؤں آپ کے لیے؟" بہت سوچنے کے بعد اس نے پوچھا تو اویس نے چونک کر ٹی وی اسکرین پر سے نگاہ ہٹائی۔

"نہیں۔ میں کھا کر آیا ہوں۔"

"چائے ___؟" وہ بہت دوستانہ موڈ میں پوچھ رہی تھی اور یہ اس کے سادہ سے تاثرات ہی تھے جنہوں نے اویس کو اثبات میں سر ہلانے پر مجبور کر دیا۔ جواباً اس کی خوشی کو اویس نے بہت شدت سے محسوس کیا تھا۔

"نیور مائنڈ۔ وہ میری کزن بھی تو ہے۔ چار دن ہم فرینڈشپ میں بھی گزار سکتے ہیں۔ خوامخواہ ٹینشن کری ایٹ کرنے سے کیا حاصل ہے۔" وہ چائے لے کر آئی تب وہ چونکا تھا۔

"تم نہیں پیو گی؟" ایک مگ دیکھ کر اس نے بے اختیار پوچھا تو وہ ہلکے سے مسکرا دی۔

"میں تو کب کی پی چکی۔ اب تو میں سو رہی تھی۔"

"آئی ایم سوری۔ میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا ہے۔" وہ اس کے ہاتھ سے مگ لیتے ہوئے بولا تو وہ فلور کشن پر بیٹھتے ہوئے اسے بتانے لگی۔

"میں نے بس نو بجے تک ہی آپ کا انتظار کیا تھا۔ پھر پتا نہیں کب میں سو گئی۔ دراصل مجھے اتنی دیر تک جاگنے کی عادت نہیں ہے۔ ٹی وی کی بھی عادت نہیں ہے ورنہ شاید جاگ ہی لیتی۔"

"حویلی میں تو ٹی وی موجود ہے۔" چائے کے اچھے ذائقے نے اس کا موڈ خوشگوار کر دیا تھا سو وہ بحث کرنے والے انداز میں بولا تو اس کے لبوں پر ہلکی سی ___ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں موجود ہے۔ مگر ہمارے لیے نہیں۔ صرف حویلی کے مردوں کے لیے۔ ہمیں تو کبھی کبھار ہی اجازت ملتی تھی دیکھنے کی۔"

"لیکن کیوں؟" وہ واقعی حیران ہوا تھا۔

"بابا سائیں کہتے ہیں کہ ٹی وی پر اچھی باتیں نہیں سکھائی جاتیں۔ لڑکیاں بے راہ روی پر اتر آتی ہیں۔" وہ معصومیت سے بولی تو ثانیہ بھر کو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"کبھی کسی نے حویلی کے قوانین توڑنے کی کوشش نہیں کی۔ آئی مین کسی لڑکی نے؟"

"نہیں جی ___ حویلی کے اصولوں سے بغاوت کرنے کا دوسرا نام موت ہے۔" وہ جیسے جھرجھری لے کر بولی تو اویس چڑ گیا۔

"اصولوں کی پاسداری کا دوسرا نام بھی تو موت ہی ہے پھر ایک ٹرائی کرنے میں کیا حرج ہے؟" وہ تحیر بھری نظروں سے اویس کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیسی ٹرائی ___؟ وہاں تو کوئی روزن ہی نہیں ہے۔ کوئی ایسی کھڑکی نہیں ہے جس کے پار جنت کے نظارے ہوں۔"

"مگر یوں فضول روایات کی بھینٹ چڑھنا بھی تو گناہ میں حصہ دار بننا ہے۔"

"پرندہ اگر اڑ جائے تو باز کے پنجوں کا شکار ہو جاتا ہے نہ اڑے تو شکاری کی گولی کا نشانہ بن جاتا ہے۔ حویلی کی لڑکیوں کی قسمتیں بھی ان پرندوں سے الگ

نہیں ہیں۔ شادی نہ ہو، کوئی جوڑ نہ ملے تو حق بخشوا کر پاک کمرہ آباد کر دیا جاتا ہے اور اگر شادی ہو جائے تو ایک ذلت آمیز زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ چاہے آپ کا شوہر آپ کے باپ کی عمر کا ہو یا چھوٹے بھائی جیسا۔"

اس کے لہجے میں تھکن آمیز آزردگی اتر آئی۔

اویس نے قدرے دھیان سے اسے دیکھا۔ وہ بلاشبہ لاکھوں میں ایک تھی۔ اس کی ذہنی رو بھٹکی۔

(کیا اس کے باپ کو کبھی اس پر پیار نہیں آیا ہوگا؟)

"آپ نے تو میری بڑی آپا کو دیکھا ہی نہیں، وہ بہت خوب صورت ہیں۔ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔ ان کی دعائیں بہت جلدی قبول ہوتی ہیں میرے لیے بھی انہوں نے دعا کی تھی۔ اسی لیے خدا نے مجھے وہ ذلت آمیز زندگی گزارنے سے بچا لیا اور آپ کے دل میں رحم ڈال دیا۔ آپ نے میرے لیے جو کچھ کیا ہے اس کا بدلہ میں ساری عمر نہیں چکا سکتی۔ لیکن آپ کے لیے دعا ضرور کروں گی کہ اللہ آپ کو آپ کی محبت دے دے۔ آپ کو اس سے جدا نہ کرے۔" اس کی تمتماتی رنگت اور چمکتی آنکھیں اویس کو حواس میں لے آئیں۔

"کون۔۔۔ کس کی بات کر رہی ہو تم؟"

"پتہ نہیں تمنہ نے بتایا تھا مجھے نام یاد نہیں۔" وہ بے حد سادگی سے بولی تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ بہت کچھ ان چاہا کر لینے کی تکلیف پھر سے جاگنے لگی وہ مگ تپائی پر رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب تم سو جاؤ اور پلیز لاؤنج میں مت سویا کرو۔ دوسرا بیڈ روم استعمال کرو۔"

اس کی طرف دیکھے بغیر اسے ہدایات دیتا وہ اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔ شہرگل نے ایک ٹک اسے اندر گم ہوتے دیکھا تھا۔

اونچا لمبا سنجیدہ سا اور کچھ کچھ الجھا رہنے والا اویس شاہ اپنی ظاہری ہی نہیں باطنی خوب صورتی کی وجہ سے بھی اس کے دل میں ایک خاص مقام پر جگہ بنا گیا تھا۔

وہ ہم سفر ہو اور سفر ہو زندگی بھر کا
یہی دعا آتی ہے زندگی کے لبوں پر

کتابیں سمیٹتے ہوئے ایک شعر پر اس کی نگاہ پڑی تو دھڑکنیں تھم سی گئیں پھر اگلی کسی خواہش کے پنپنے سے پہلے ہی وہ سب کچھ سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"گل۔۔۔ ایک بات پوچھوں؟"

نوٹس بناتے بناتے بہت اچانک زوباریہ نے پوچھا تو نا چاہتے ہوئے بھی اسے اس کی طرف دیکھنا پڑا کسی بھی بات سے پہلے اجازت لینے کی زحمت کرنا اس کی سرشت میں نہیں تھا۔

"کیا۔۔۔؟" چند لمحوں تک اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ جیسے الجھ کر پوچھنے لگی۔

"ہم دونوں میں کچھ پرسنل بھی ہے کیا؟"

"ابھی تک تو کچھ نہیں ہے۔" اس نے سمجھے بغیر روانی سے کہا اور پھر سے صفحے پر پین چلانے لگی۔

"آج تم اویس شاہ کے ساتھ آئی تھیں؟" زوباریہ نے بہت مدھم مگر الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا تو اس کا پین رک گیا۔ گہری سانس لیتے ہوئے اس نے زوباریہ کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر دنیا جہان کی حیرت اور بے یقینی تھی۔

"آج ہی نہیں میں اوّل روز سے اسی کے ساتھ یونیورسٹی آ رہی ہوں۔ میرا کزن ہے وہ۔" بہت رسانیت سے اس نے جواب دیا تو زوباریہ نے گہری سانس لی۔

"تھینک گاڈ! میں سمجھی شاید کوئی اور چکر ہے۔" اس کے شرارتی انداز کو شہرگل نے انجوائے کیا۔ پھر پوچھنے لگی۔

"تم اسے کیسے جانتی ہو؟ وہ ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں تو نہیں۔"

"مائی ڈیر وہ عامر کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس لیے میں اسے جانتی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے اپنے کزن کا حوالہ دیا۔ پھر شرارت سے بولی۔

"ویسے بندہ بہت ہینڈسم ہے۔"

"ہاں ہے تو۔" وہ سرسری انداز میں بولی۔
"تو پھر کیا خیال ہے؟" اس کے بے تابانہ انداز پر شہرگل نے گھور کر اسے دیکھا۔
"میرا خیال ہے کہ اب یہ نوٹس کمپلیٹ کر ہی لیے جائیں تو بہتر ہے۔"
"یار! تھوڑی تو تفریح ہونی چاہیے نا!" وہ واقعی ریلیکس ہونے کے موڈ میں تھی۔
"چلو پھر کینٹین چلتے ہیں۔" شہرگل نے آفر کی جسے ذوباریہ نے ناک بھوں چڑھا کر فوراً" رد کر دیا تھا۔
"ہم فوراً" سے پیشتر کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں چل رہے ہیں۔" ذوباریہ نے اٹل انداز میں کہا تو وہ ہنس دی۔
"امپاسبل ذوباریا! میں کبھی یونیورسٹی سے باہر نہیں گئی۔"
"تمہارا کزن اتنا بدذوق ہو گا' مجھے اندازہ نہیں تھا۔ مگر میں آج تمہیں ضرور لے کر جاؤں گی۔" ذوباریہ کے انداز پر اسے ہنسی آ گئی۔
"اٹھو ناں اور پھر گاڑی ہے میرے پاس۔ ہم کون سا پیدل جائیں گی۔"
اس کی ہنسی دیکھ کر وہ چہلنے لگی۔ مگر شہرگل یہ رسک لینے کو تیار نہیں تھی۔ یہ ٹھیک تھا کہ اویس کا رویہ اب بہت دوستانہ سا ہو گیا تھا مگر وہ اول روز کی گئی اس کی نصیحتیں نہیں بھولی تھی۔ وہ دوبارہ اسے سرد مہری کے خول میں سمٹا دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔
"ذوباریہ پلیز یار! سمجھنے کی کوشش کرو۔ مجھے اجازت نہیں ہے باہر جانے کی۔"
"تم نقاب کر لینا۔ یہاں کون تمہیں دیکھنے کو بیٹھا ہے۔" لگ رہا تھا کہ آج وہ اپنی سی کر کے ہی رہے گی۔ شہرگل نے بے بسی سے اسے دیکھا۔
"اویس تو ہے نا۔ وہ مائنڈ کرے گا۔"
"اوہو...." ذوباریہ نے معنی خیزی سے اسے دیکھا تو اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ بول اٹھی۔
"مجھے ہوسٹل سے پک کرنے اور پھر ڈراپ کرنے کی ڈیوٹی بابا سائیں نے اس کے ذمے لگائی ہے۔ اسے پتا چل گیا تو وہ ناراض ہو گا اور اگر بابا سائیں کو پتہ چل گیا تو پھر اللہ ہی جانتا ہے کہ کیا ہو گا۔"
"کچھ نہیں ہوتا اسٹوپڈ گرل۔ ہم آدھے گھنٹے میں واپس آجائیں گے۔" ذوباریہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانے کی سعی کی۔
"مگر میں کسی ریسٹورنٹ میں نہیں جاؤں گی۔" اس نے اٹھتے اٹھتے شرط رکھی تو وہ فوراً" مان گئی۔
"او کے۔ ہم گاڑی ہی میں کوک برگر لے لیں گے۔"
"یہ تو ہم کینٹین سے بھی لے سکتے ہیں۔" شہرگل نے فوراً" کہا تو وہ ملامتی نظروں سے اسے دیکھنے کے بعد خاصے طنز سے بولی۔
"مگر کینٹین میں بیٹھ کر لانگ ڈرائیو کا مزہ تو نہیں لے سکتے۔"
"بہت ضدی ہو تم ذوباریہ!" وہ تھک کر ہار گئی تھی۔
"عامر بھی یہی کہتا ہے۔" وہ بہت تفاخر سے بولی تو اسے ہنسی آ گئی۔
"ہاں بہت بڑی خوبی جو ہے یہ۔"
"اس کا فائدہ بھی ہوتا ہے مگر صرف وہاں جہاں محبت ہو۔ محبت میں ضد کے آگے سرنڈر کرنا اچھا لگتا ہے۔" وہ اطمینان سے بولی۔
وہ دونوں چلتی ہوئی گیٹ کی طرف آ گئیں۔
"تم سے کس نے کہا کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں؟" شہرگل کا انداز چھیڑنے والا تھا۔
"تو پھر تم نے میری ضد کیوں مان لی؟ تمہارے کزن اور بابا سائیں کے خوف کو کیا میری محبت نے مات نہیں دی؟" وہ بہت اعتماد سے پوچھ رہی تھی۔ شہرگل نے تاسف سے سر ہلایا۔
"بہت خوش گمان ہو تم۔"
"بدگمان ہونے سے تو بہتر ہے نا۔" وہ گاڑی کا دروازہ کھولنے لگی۔ اس کے جملے پر شہرگل مسکرا دی تھی۔
اور اگلا آدھا گھنٹہ واقعی ان دونوں نے بہت لطف

ڈھاتے ہوئے گزارا تھا اور اس سے آگے کا آدھا گھنٹہ پتا نہیں کیسے گزر گیا۔ گاڑی میں ہی انہوں نے ہلکا پھلکا لنچ کر لیا تھا۔ زوباریہ ہر آتے جاتے گزرتے بندے پر ایسے ایسے ریمارک پاس کرتی تھی کہ شہر گل کو بے اختیار ہنسی آجاتی تھی۔

اچھے سے میوزک اور لانگ ڈرائیو نے اسے بے پناہ آزادی اور خوشی کا احساس دلایا تھا اور یہ خوشی برقرار رہتی اگر شہر گل کی نظر گھڑی پر نہ پڑ جاتی۔

"مائی گاڈ..... زوباریہ ٹائم دیکھو ذرا۔" اس کے دل دہلا دینے والے انداز پر وہ ہنسنے لگی۔

"میں سمجھی شاید تم گاڑی کی اسپیڈ سے متعلق کچھ کہنے لگی ہو۔"

"کیا مطلب؟" وہ اسے دیکھنے لگی۔

"مطلب یہ کہ پٹرول ختم ہو چکا ہے۔" وہ آرام سے بولی تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔

"پھر.....؟"

"پھر اب یہ کہ کسی سے مدد مانگنی پڑے گی۔" زوباریہ کے انداز میں لاپروائی تھی۔ اسی وقت گاڑی جیسے دو تین مرتبہ کھانس کر ڈھٹائی سے کھڑی ہو گئی تھی۔

"تم پہلے چیک نہیں کر سکتی تھیں۔ بہت لاپروا ہو تم۔" شہر گل جھنجلا اٹھی۔ ایک تو پہلے ہی اتنی دیر ہو گئی تھی اوپر سے وہ انکشاف در انکشاف کیے جا رہی تھی۔

"عامر بھی یہی کہتا ہے۔" وہ ڈھٹائی سے ہنسی۔

"اور بالکل صحیح کہتا ہے۔" اس نے دانت کچکچائے

"ڈونٹ وری یار۔ ایسا پہلی بار تو نہیں ہوا میرے ساتھ۔" اس کے لاپروا انداز نے شہر گل کو چڑا دیا۔

"میرے ساتھ تو ایسا پہلی بار ہو رہا ہے اور پھر ٹائم دیکھو ذرا تم یونیورسٹی خالی ہو چکی ہو گی۔" وہ حد درجہ متفکر تھی مگر زوباریہ کو رتی بھر پروا نہیں تھی۔

"اب باہر تو نکلو۔ لفٹ لینی پڑے گی کسی سے۔"

"خبردار....." وہ بدک گئی۔ "آرام سے رکشہ یا ٹیکسی ہائر کرلو۔

"ہاں اور گاڑی کو چوروں کے لیے کھلے عام چھوڑ دوں۔" وہ طنزاً بولی پھر تقریباً غیر گنجان روڈ کے دونوں اطراف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"ہو سکتا ہے، کوئی شریف سا بندہ ہماری گاڑی سمیت ہمیں پیٹرول پمپ تک لفٹ دے دے۔"

"بشرطیکہ کوئی شریف بندہ ہوا تو۔" شہر گل نے بہت تحمل سے لقمہ دیا اور پھر وہ شریف بندہ اگلے آدھے گھنٹے کے انتظار کے بعد ایک پک اپ والے کی شکل میں نمودار ہوا جس نے بہت خوش دلی سے ان کی گاڑی کو پک اپ کے ساتھ باندھ کر ان کو پٹرول پمپ تک پہنچایا تھا۔ تب تک شہر گل کی حالت کافی دگرگوں ہو چکی تھی۔

"کم آن گل۔ یار! میں خود تمہیں ہوسٹل ڈراپ کر کے آؤں گی۔ تم اس قدر پریشان کیوں ہو رہی ہو۔" زوباریہ کو اس کی پریشانی گھبراہٹ میں مبتلا کرنے لگی۔

"نہیں، تم مجھے یونیورسٹی چھوڑ دینا۔" اس نے جلدی سے کہا تو وہ تحیر سے اسے دیکھنے لگی۔

"اس وقت یونیورسٹی آف ہو چکی ہو گی۔ بلکہ پون گھنٹہ پہلے۔ تم وہاں جا کر کیا کرو گی؟"

زوباریہ کے کہنے پر وہ حق دق بیٹھی رہ گئی۔

تو اویس اسے ڈھونڈ کر تھک ہار کر چلا گیا ہو گا۔ یونیورسٹی وہ جا نہیں سکتی تھی اور کون سا ہوسٹل تھا جس کا نام وہ زوباریہ کو بتاتی۔ ایک نئی مصیبت منہ کھولے اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

"کہاں چلیں پھر.....؟" یونیورسٹی روڈ پر آتے ہی زوباریہ نے پوچھا تو وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

"یہاں شالیمار اپارٹمنٹس میں میری آنٹی کا فلیٹ ہے۔ تم مجھے وہاں ڈراپ کر دو۔ آج وہیں رہ لوں گی۔"

گاڑی کی اسپیڈ آہستہ کرتے ہوئے زوباریہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور مطلع کرنے والے انداز میں بولی۔

"تمہیں یوں ہوسٹل وارڈن کو بتائے بغیر کہیں نہیں جانا چاہیے اور یوں بھی اب تک اویس تمہارے ہوسٹل سے تمہارا پتا کروا چکا ہو گا۔ تمہیں سیدھا ہوسٹل ہی جانا چاہیے۔"

"میں اسے فون کر کے انفارم کر دوں گی۔ آنٹی کی وارڈن سے اچھی دوستی ہے' وہ اس سے بھی بات کر لیں گی۔ تم پلیز مجھے وہیں ڈراپ کر دو۔ آنٹی مجھے اویس کی ڈانٹ سے تو بچا ہی لیں گی۔" وہ ذہن میں سوچے منصوبے کے تحت ملتجی انداز میں بولی تو ذوباریہ نے لاپروائی سے شانے اچکا دیے۔

"بس... یہیں روک دو۔" پارکنگ لاٹ سے باہر ہی اس نے بعجلت ذوباریہ سے کہا تو اس نے گاڑی روک دی۔

"یہاں تمہاری آنٹی رہتی ہیں؟" ذوباریہ نے باہر جھانکتے ہوئے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا تو وہ بمشکل مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر نیچے اتر گئی۔

"میں آؤں تمہارے ساتھ؟" ذوباریہ کی آفر پر وہ بوکھلا گئی۔

"نن... نہیں۔ میں چلی جاؤں گی۔ تھینکس۔" وہ خود اس قدر متفکر اور پریشان تھی کہ اس نے ذوباریہ کی الجھن اور حیرت پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ وہ ذوباریہ کو خدا حافظ کہہ کر اندر چلی گئی۔

سیڑھیوں پر ہی تیزی سے اترتے اویس کا سامنا ہوا تو وہ ٹھٹک گئی۔ اگلے ہی پل اس کی آنکھوں کی حیرت غصے میں تبدیل ہو گئی تھی۔

"کہاں تھیں تم...؟" اس کے لہجے میں اس قدر درشتی تھی کہ وہ ڈر سی گئی۔

"وہ... میں اپنی دوست کے ساتھ تھی۔" اس کے سہمے ہوئے انداز پر چند لمحوں تک وہ لب بھینچے اسے دیکھتا رہا پھر واپس پلٹ گیا۔ دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کرتی وہ اس کے پیچھے سیڑھیاں طے کرنے لگی۔

فلیٹ پر پہنچ کر احتساب کا پیریڈ اسٹارٹ ہو گیا تھا۔

"پتا ہے میں کہاں کہاں خوار ہوتا پھر رہا ہوں تمہارے لیے۔ یونیورسٹی سے گھر اور گھر سے یونیورسٹی کے بیسیوں چکر لگا چکا ہوں۔ تمہیں اتنی عقل نہیں ہے کہ وہاں میرا انتظار کرتیں....." وہ بول نہیں رہا تھا بلکہ غرا رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں کپکپانے لگیں۔

"زیادہ دیر تو نہیں ہوئی۔ ڈیڑھ گھنٹہ ہی اوپر ہوا ہے....." وہ منمنا کر اپنی صفائی پیش کرنے لگی تھی کہ دانت پیستے ہوئے اویس نے اس کے شانے پر دباؤ ڈال کر اسے صوفے پر گرا دیا۔

"اور اس ڈیڑھ گھنٹے میں میری ذہنی حالت تباہ ہو گئی ہے۔ اندازہ ہے تمہیں اس بات کا؟ اگر کچھ ہو جاتا تو کیا جواب دیتا میں سب کو؟"

خوف اور شرمندگی کے مارے اسے رونا آنے لگا۔

وہ سوچ سکتی تھی کہ اسے یونیورسٹی میں نہ پا کر اویس پر کیا بیتی ہو گی۔ بالکل انجانے شہر میں جہاں وہ اویس کے علاوہ دوسرے بندے کو جانتی تک نہیں تھی تنہا کہیں نکل جانا حد درجہ بے وقوفی ہی کہلائی جا سکتی تھی۔

"سوری..... مجھے نہیں پتہ تھا کہ اتنی دیر ہو جائے گی۔ میری فرینڈ ساتھ تھی۔ اس کی گاڑی کا پٹرول ختم ہو گیا تھا....." رندھے ہوئے لہجے میں اس نے بتانا چاہا تو وہ غصے سے بولا۔

"میں نے تمہیں اسی لیے منع کیا تھا کسی سے بھی دوستی کرنے کو۔ بہت شوق ہے تمہیں سیر سپاٹوں کا؟ اگر کچھ غلط ہو جاتا تو؟ میں شہر میں رہتا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مادر پدر آزاد ہوں۔ میں بھی اپنے گھر کی عورتوں سے متعلق اتنا ہی پوزیسو ہوں جتنا کہ دوسرے مرد۔ اگر تم نے پڑھنا ہے تو ٹھیک ورنہ تم کل ہی بابا جان کو بلوا کر واپس چلی جاؤ۔ میں اتنا خوار نہیں ہو سکتا تمہارے پیچھے۔"

وہ مسلسل بول کر اپنا غصہ نکال رہا تھا اور وہ سر جھکائے بیٹھی سوچ رہی تھی کہ اگر اس کی جگہ بابا سائیں یا اس کے بھائیوں میں سے کوئی ہوتا تو ابھی تک اسے جان سے مار چکے ہوتے۔

اس کی جامد خاموشی نے اسے تپا دیا۔ دندناتا ہوا وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"بھلا ہو تمہارا ذوباریہ! کس موڑ پہ لاکھڑا کیا ہے آج تمہاری دوستی اور ضد نے۔"

بھیگی آنکھوں کو ہتھیلیوں سے رگڑتے ہوئے وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دی تھی۔

رات بہت دل لگا کر اس نے سندھی بریانی' شاہی

کباب اور رائتہ بنایا تھا۔ اب مسئلہ اویس کو بلانے کا تھا۔ جو دوپہر سے اپنے کمرے میں بند تھا۔

اس نے اب تک سینکڑوں مرتبہ خود سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایسی غلطی پھر کبھی نہیں کرے گی۔ کئی بار وہ سوچتے سوچتے رو پڑی تھی۔ اللہ نے کیسا اچھا مرد اس کے سر کا سائیں بنایا تھا جو اس پر اعتبار رکھتا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس کے بجائے حویلی کا کوئی مرد ہوتا تو بندوق کی زبان سے بات کرتا۔ اس نے تو صرف ڈانٹا ہی تھا جو شہر گل کو محسوس ہی نہیں ہوا تھا۔ وہ چاہتا تو اس پر شک بھی کر سکتا تھا۔ الزام تراشی بھی کر سکتا تھا مگر اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا بلکہ اس کی باتوں سے ایسا کچھ محسوس ہی نہیں ہوا تھا۔ وہ صرف اس کے بتائے بغیر باہر جانے پر خفا ہو رہا تھا۔

دل مضبوط کر کے اس نے اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ اس نے ناب گھما کر دروازہ دھکیلا تو اندر بالکل اندھیرا تھا بس ہلکی سی آواز میں گونجتا میوزک کمرے میں زندگی کی علامت تھا۔ اس نے اندازے سے سائیڈ بورڈ پر ہاتھ مارا تو ٹیوب لائٹ آن ہو گئی۔

اویس نے چونک کر آنکھوں پر سے بازو ہٹایا۔

"کھانا کھالیں......" وہ مجرمانہ انداز میں بولی تو اس نے آنکھیں موند لیں پھر نارمل سے انداز میں بولا۔

"آ رہا ہوں میں۔" اس کے انداز نے شہر گل کو پھر بہت بڑی خوشی اور طمانیت بخشی تھی۔

اویس کے لیے اس کے دل میں بہت محبت اور عزت بھر گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ فریش ہو کر لاؤنج میں آیا تو وہ کارپٹ پر چادر بچھا کر کھانا لگا چکی تھی۔

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ کترا کر وہاں سے ہٹنے لگی تھی۔

"تم نہیں کھا رہیں؟"

"میں بعد میں کھاؤں گی۔" وہ دھیمے سے بولی۔ اس کی شرمساری اویس کو بہت اچھی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

"چائے بعد میں بنانا۔ پہلے کھانا کھالو۔" وہ نرمی سے بولا تو وہ خاموشی سے اپنے لیے پلیٹ لے آئی۔

اویس کے سامنے بیٹھ کر کھانا ایک مشکل مرحلہ ثابت ہوا تھا۔ حالانکہ اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر اسے نہیں دیکھا تھا اس کے باوجود وہ ٹھیک طرح سے کھا نہیں پائی تھی۔ وہ چائے لے کر آئی تو وہ ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

"تھینکس......" مگ لیتے ہوئے وہ سرسری انداز میں بولا تو اس کے دل کو پتہ نہیں کیا ہونے لگا۔ وہ بے اختیار وہیں گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"آپ پلیز اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر شکریہ ادا نہ کیا کریں۔ آپ نے تو اتنا عظیم احسان کیا ہے مجھ پر کہ میں ساری عمر آپ کی غلام بن کر بھی زندگی گزار سکتی ہوں۔" کپکپاتے لب اور آنسوؤں سے بھری آنکھیں

سنجیو کپور کی کتاب "کھانا خزانہ" کی کامیابی
کے بعد لذیذ کھانوں کی ترکیبیں

انڈین کھانے

سنجیو کپور

قیمت : 250/- روپے

ڈاک خرچ : 30/- روپے

آج ہی گھر بیٹھے منگوانے کے لئے
280/- روپے کا منی آرڈر یا ڈرافٹ
ارسال کریں۔

منگوانے کا پتہ

مکتبۂ عمران ڈائجسٹ

37۔ اردو بازار۔ کراچی

فون: 2216361

لیے تشکرانہ انداز میں کہتی وہ اسے ششدر کر گئی تھی سب سے پہلا خیال اس کے ذہن میں یہی آیا تھا کہ شاید وہ دوپہر والے واقعے کی وجہ سے ڈسٹرب ہے۔

"میں بہت شرمندہ ہوں کہ میں آپ کی ذہنی پریشانی کا باعث بنی مگر وعدہ کرتی ہوں کہ میں آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گی۔" وہ بہت معصومیت سے وعدہ کرتی اویس کو مسکرانے پر مجبور کر گئی۔

"مگر میں تو اب تمہیں کچھ نہیں کہہ رہا۔"

"یہ تو آپ کی اچھائی ہے نا۔" وہ بہت نیاز مندی سے بولی تو اسے ہنسی آنے لگی۔

"کون سی اچھائی اور کہاں کی اچھائی؟ اچھا بھلا غصہ نکالا تو تھا میں نے تم پر۔"

"یہ تو کچھ بھی نہیں تھا۔ اگر آپ کی جگہ ادا فیروز یا ادا مسرور ہوتے تو مجھے زمین میں زندہ دفن کر دیتے۔"

"ہاں ویسا میں نہیں کر سکتا۔" اس نے اعتراف کیا پھر اسے متنبہ کرنے لگا۔

"اور آئندہ سے تم ایسی حرکت مت کرنا۔ دوستی صرف یونیورسٹی تک محدود رکھو' باہر جانا نہ تم افورڈ کر سکتی ہو اور نہ میں۔"

"آئی پرامس یو۔ آئندہ میں کبھی ایسا کچھ نہیں کروں گی جس سے آپ کو پریشانی ہو۔" وہ جلدی سے بولی تو اس نے سر ہلا دیا۔

"کھانا بہت اچھا بنا تھا اور اب چائے بھی۔" خالی مگ اسے تھماتے ہوئے وہ بولا تو اس کے پورے وجود میں سرخوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کے چہرے کی شہابی رنگت کو اویس نے لحظہ بھر کو بہت حیرت سے دیکھا پھر فوراً ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز ذوباریہ نے بہت سرسری انداز میں اویس کا ردعمل پوچھا وہ ہنس دی۔

"کچھ بھی نہیں۔ آنٹی نے ہی سارا معاملہ سنبھال لیا تھا۔"

"کیا خیال ہے پھر۔ آج چائنیز چلیں؟" ذوباریہ کی آفر پر شہر گل نے گڑبڑا کر اسے دیکھا تو اس کی مسکراہٹ دیکھ کر خفگی سے بولی۔

"کل سے سو مرتبہ توبہ کر چکی ہوں میں باہر جانے سے۔"

"تمہارا کزن اتنا غصے والا لگتا تو نہیں ہے۔" ذوباریہ نے شانے اچکائے تو وہ گہری سانس لے کر بولی۔

"اس نے تھوڑی ڈانٹا ہے۔ آنٹی نے ہی ساری کسر نکال لی تھی۔"

"کبھی کبھار ڈانٹ کھانا صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ کل مزہ آیا تھا کہ نہیں؟" اس کے پوچھنے پر کچھ سوچ کر وہ ہنس دی۔

"ہاں مزہ تو بہت آیا تھا۔"

"ذرا اس دفعہ کے زخم بھر جانے دو' اگلے ہفتے کسی نئے ایڈونچر کے لیے نکلیں گے۔" وہ پرجوش ہوئی تو شہر گل نے اس کو بازو سے پکڑ کر اٹھانے کی سعی کی۔

"اکیسویں صدی کی مارکوپولو صاحبہ! اب چل کے پیریڈ لے لو۔ اپنے ایڈونچر پر بعد میں غور کر لینا۔" وہ ٹھنڈی آہ بھر کے اس کے ساتھ کلاس لینے چل دی تھی۔

"گل..... اے گل۔" لان میں نوٹس بکھرائے وہ ذوباریہ کو زبردستی اپنے ساتھ باندھے پڑھنے کے لیے بیٹھی ہوئی تھی مگر ذوباریہ کی نظر نوٹس سے زیادہ ادھر ادھر ٹولیوں میں بکھرے اسٹوڈنٹس پر تھی۔

"ہوں....." شہر گل نے بے توجہی سے کہا تو وہ پرجوش انداز میں بولی۔

"وہ سامنے دیکھو کوریڈور میں....."

"کیوں تمہاری نظر کم پڑ گئی ہے کیا؟" وہ اب بھی متوجہ نہیں تھی۔ نوٹس سمیٹ کر پن اپ کرنے لگی۔

"چہ..... دیکھو تو سہی یار۔ آخر کو تمہارا خاندانی راز ہے۔" وہ اب بھی اسی انداز میں کہہ رہی تھی۔ جبکہ

نظریں متواتر کہیں دور بھٹک رہی تھیں اس کے الفاظ نے شہر گل کو بھی دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

"کہاں ہے؟"

"وہ.... پلر کے پاس۔"

زوباریہ کی نشاندہی پر اس کی نظریں لحظہ بھر کو ساکت ہوئی تھیں۔ پھر وہ کوئی بھی تاثر دیے بغیر نوٹس فائل میں رکھنے لگی۔

"یہ اویس شاہ ہی ہے نا۔ تمہارا کزن؟" زوباریہ نے اس سے تصدیق چاہی تو وہ فائل بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میرے خیال میں تم اسے اچھی طرح پہچانتی ہو۔" اس کے عام سے انداز پر زوباریہ نے گھور کر اسے دیکھا۔ پھر گویا مطلع کرنے والے انداز میں بولی۔

"اور اس کے ساتھ فائل ایر کی روما ہے۔"

"تمہیں کیا اعتراض ہے؟"

"اسٹوپڈ! اعتراض تو تمہیں ہونا چاہیے۔ اتنی خوب صورت لڑکی کو چھوڑ کر وہ پتا نہیں کس کے ساتھ گھوم رہا ہے۔"

"کس خوب صورت لڑکی کی بات کر رہی ہو؟" شہر گل نے حیرت سے پوچھا تو وہ اسے شرمندہ کرنے والے انداز میں دیکھنے لگی۔

"کبھی ڈھنگ سے آئینہ دیکھا ہوتا تو مجھ سے یہ بے

وقوفانہ سوال کرنے کی نوبت نہ آتی۔ اب میں بیچارے اویس شاہ کو کیا کوسوں؟"

"ساری بات قسمت کی ہوتی ہے زوباریہ! رولنے والے تو ہیرے کو بھی مٹی میں رول دیتے ہیں۔" اس کے لہجے میں آزردگی سمٹ آئی تھی۔ سیاہ اسکارف کے حلقے میں اس کی موہنی سی صورت زوباریہ کو مسحور کرنے لگی۔

"تم اس قدر اچھی ہو گل! اللہ نے تمہاری قسمت بھی بہت اچھی بنائی ہوگی۔" اس نے بہت محبت سے شہر گل کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا تو بے ساختہ ہی اس کی نظریں روما کے ساتھ پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اویس شاہ کے ساتھ سفر کرنے لگیں۔

"واقعی.... اس میں تو کوئی شک نہیں ہے۔" وہ بے دھیانی سے مسکرا کر بولی تو زوباریہ پوری کی پوری اس کی طرف گھوم گئی۔

"اوہو.... کیا مطلب ہے اس قدر یقین کا؟" وہ فوراً ہی زوباریہ کے حملے سے سنبھلی تھی۔

"جس کی تم جیسی پیاری اور مخلص دوست ہو، اسے تو کم از کم اپنے خوش قسمت ہونے پر کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔"

"کاش اس وقت عامر یہاں ہوتا تو جل بھن کر خاک ہو گیا ہوتا۔" اس کے جوشیلے انداز میں کہنے پر شہر گل بے اختیار ہنس دی تھی۔

✲ ✲ ✲

وہ جب تک واش روم سے نکلی، ڈور بیل جانے کتنی ہی مرتبہ بجائی جا چکی تھی۔ وہ اویس کی ناراضی کا سوچ کر خائف ہوتی تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

اویس نے اسے دروازہ کھولنے سے پہلے میجک آئی سے باہر دیکھنے خصوصی ہدایت کی تھی۔

مگر اس وقت عجلت میں وہ یہ احتیاط بالکل بھول گئی۔ دوسرے ذہن میں یہ بھی تھا کہ اس وقت عموماً اویس ہی آیا کرتا تھا۔ لیکن اس بے احتیاطی کا رزلٹ

دروازہ کھولتے ہی اسے بھک سے اڑا گیا۔

کچھ ایسا ہی حال سامنے کھڑی روما کا بھی تھا۔

اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اویس شاہ کے فلیٹ کا دروازہ کوئی نوجوان اور خوب صورت لڑکی بھی کھول سکتی ہے۔

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

✲

اویس، شہر گل کی معصومیت اور خیرہ کن خوبصورتی سے بے حد متاثر ہوتا ہے۔ لیکن اس پر پزل پر بھر جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے والدین کو پہلے ہی روما کے متعلق بتا چکا ہے۔ بہزاد خان اس پر جذباتی دباؤ ڈالتے ہیں۔ آخر کار اویس کو شہر گل سے نکاح کرنا ہی پڑتا ہے۔ اویس پھر لاہور چلا آتا ہے۔ جب کہ شہر گل، بہزاد خان کے گھر میں رہنے لگتی ہے۔ جہاں اسے ذہنی و روحانی آسودگی حاصل ہے۔

اس دوران روما اویس شاہ کی مستقل غیر حاضری سے سخت پریشان ہوتی ہے لیکن اویس اسے اپنی باتوں سے قائل کر لیتا ہے۔

بہزاد خان شہر گل کو اویس کے اپارٹمنٹ مستقل طور پر لے آتے ہیں۔ اس بات پر وہ بے حد تلملاتا ہے لیکن بہزاد خان کے سامنے کچھ کہہ نہیں پاتا۔ شہر گل یونیورسٹی میں روما کے ہی ڈپارٹمنٹ میں داخلہ لے لیتی ہے۔ وہ اویس شاہ کو پسند کرنے لگتی ہے۔ لیکن اس کی قربانی کی دل سے قدر کرتی ہے۔ یونیورسٹی میں شہر گل کی دوستی ذوباریہ سے ہوتی ہے جو ایک زندہ دل لڑکی ہے۔ شہر گل ذوباریہ کو بتاتی ہے کہ وہ اویس شاہ کی کزن ہے اور یہاں اپنی آنٹی کے گھر رہتی ہے۔ وہ سب سے اپنے اور اویس کے حقیقی تعلق کو پوشیدہ رکھتی ہے۔ لیکن ایک دن روما کے اچانک اویس کے اپارٹمنٹ چلے آنے سے وہ پریشان ہو جاتی ہے۔

۲
دوسری اور آخری قسط

شہر گل کو اپنی فاش غلطی کا جب تک احساس ہوا تب تک کافی دیر ہو چکی تھی۔

"آپ ....؟" روما کے تاثرات میں حد درجہ بے یقینی تھی۔ تحیر کے مارے وہ کچھ پوچھ بھی نہیں پائی تھی۔

اور شہر گل ..... وہ روما کے تعارف سے ہر گز انجان نہیں تھی۔ تقریباً" ہر روز ہی وہ اویس کے ساتھ دکھائی دیتی تھی۔ مگر آج یوں اچانک اسے سامنے پا کر شہر گل کو اپنے حواس معطل ہوتے محسوس ہوئے تھے۔

"جی فرمایئے ....." اس نے بدقت تمام ذہن کو حاضر رکھتے ہوئے بڑے انجان سے انداز میں پوچھا۔

"میں اویس سے ملنے آئی تھی۔ مگر آپ کون ہیں؟" روما اپنی حیرانی چھپا نہیں پا رہی تھی۔

"آپ اندر تو آئیں۔"

وہ قصداً" مسکرائی اور اس کے لیے راستہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئی۔ کچھ بھی تھا وہ اویس شاہ جیسے اچھے شخص کی زندگی کو ڈسٹرب کرنے کی حماقت نہیں کرنا چاہتی تھی اور اس کے لیے ضروری تھا کہ اس معاملے کو احتیاط سے سلجھایا جاتا۔ روما کے تاثرات سے اس کے دل کا حال معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس کے متعلق کس قدر متجسس ہے۔

"پہلے آپ اپنا تعارف تو کرائیں۔" اسے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے شہر گل نے دوستانہ انداز میں کہا تو وہ تکلفاً" مسکرا دی۔

"میرا نام روما ہے۔"

"اوہ ..... تو آپ روما ہیں۔" شہر گل نے جیسے اچانک کچھ جان لینے کی اداکاری کی۔

"جی ....." وہ مزید حیران ہوئی تو شہر گل نے اطمینان سے کہا۔

"میں شہر گل ہوں۔ اویس شاہ کی فرسٹ کزن۔ کیا انہوں نے آپ سے میرا تعارف نہیں کرایا؟" اس کے تعارف پر روما کو ایک اور جھٹکا لگا۔ کزن ..... تو اویس کے فلیٹ میں کیا کر رہی تھی؟

"بتایا تو تھا اس نے مگر میں نے آپ کو دیکھا نہیں تھا۔" وہ الجھن آمیز انداز میں بولی۔

اس کی نظریں مسلسل شہر گل کے سیندور ملے دودھ جیسے حسین چہرے پر پھسل رہی تھیں۔

"دراصل میں ہاسٹل میں رہتی ہوں۔ آج ہی پھپو

کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ وہ تو اویس کے ساتھ شاپنگ کے لیے چلی گئیں جبکہ میں یہاں بور ہونے کے لیے رہ گئی۔"

"اوہ ــــ" روما کی سانس کافی طویل تھی۔ پھر سرسری انداز میں بولی۔

"اویس نے تو نہیں بتایا اپنی پھپو کی آمد کے متعلق۔"

"وہ آج ہی تو آئی ہیں۔ مجھے ہوسٹل سے لیا اور سیدھی یہاں چلی آئیں۔" شہر گل اب طمانیت کے حصار میں تھی۔

"اچھا اس کا مطلب ہے کہ آج اس کی پھپھو سے بھی ملاقات ہو سکتی ہے۔ اچھے وقت پر آئی ہوں میں۔" روما مسکرائی تو وہ گہری سانس بھر کے رہ گئی۔ مگر بہرحال اسے اتنی تسلی ضرور ہو گئی کہ بگڑی ہوئی صورت حال مکمل کنٹرول میں آچکی تھی۔

"کچھ اندازہ ہے کب تک آجائیں گے وہ لوگ؟"

"پتا نہیں ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی ہے انہیں گئے ہوئے۔" شہر گل نے لاعلمی کا اظہار کیا پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

"میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔"

"ارے نہیں یار ــــ اس فارمیلیٹی کی ضرورت نہیں ہے۔" روما نے دوستانہ لہجے میں اسے روک دیا۔ وہ متذبذب ہوئی۔

"آپ پہلی مرتبہ آئی ہیں یوں اچھا نہیں لگتا۔"

"پہلی بار ــــ؟" روما بے ساختہ ہنسی پھر اسے مطلع کرنے والے انداز میں بولی۔

"اس فلیٹ کا چپہ چپہ مجھے جانتا ہے۔" اس کے لب و لہجے اور انداز میں موجود تفاخر کے احساس نے شہر گل کے دل میں اداسی بھر دی۔

مگر ایک اور خیال بھی پوری آب و تاب کے ساتھ ذہن کے افق پر جگمگا رہا تھا اور یہ خیال ــــ اویس شاہ کا تھا۔

وہ شخص جو تختۂ دار پر لٹکے اس کے وجود کے لیے نجات دہندہ بن کر آیا تھا۔ وہ اس کی زندگی میں کہیں نہیں تھی مگر یہ اس شخص کا احسان تھا کہ اس نے اس کے لیے جگہ نکالی تھی۔ اسے پاؤں جمانے کے لیے ایک نئی زمین اور چھونے کے لیے نیا آسمان دیا تھا۔ اگر اس کی پوری زندگی میں اس کی بیدی کو کوئی آگے بڑھتا تھا تو وہ اویس شاہ اور اس کی فیملی ہی تھی اور وہ ان لوگوں سے غداری نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"اویس نے تو نہیں مگر اس کی سسٹر نے مجھے آپ کے متعلق ضرور بتایا ہے۔"

"کیا بتایا تھا؟" روما فوراً دل و جان سے متوجہ ہوئی۔ شہر گل اس کے انداز پر دھیرے سے مسکرا دی پھر یونہی مسکراتے ہوئے بولی۔

"یہی کہ اویس کی لائف میں آپ کی بہت خاص جگہ ہے۔"

"اوہ گاڈ ــــ یوں بتایا ہے سب کو اویس نے؟" وہ بے حد بولڈ سی لڑکی جھینپ گئی تھی۔

"انہوں نے تو اور بھی بہت کچھ بتا رکھا ہے ــــ" شہر گل نے قدرے توقف کے بعد پھر کہا۔ "آپ شاید ابھی تک ان لوگوں سے ملی نہیں ہیں؟"

"ہاں ــــ" اس نے اعتراف کیا پھر بے تکلفی سے بولی۔ "اور پلیز اب تم بھی یہ آپ جناب چھوڑو تعارف تو ہو چکا نا۔"

"جیسے آپ کی مرضی ــــ" وہ مسکرائی مگر عادتاً انداز تخاطب سابقہ ہی تھا۔ روما ہنس دی۔ پھر صاف گوئی سے بولی۔

"جھوٹ نہیں بولوں گی۔ اویس نے تمہارا کچھ اور ہی امیج بنایا تھا میری نظروں میں مگر تم تو بہت مختلف ہو اس امیج سے۔"

"انہوں نے کیا کہا تھا؟" شہر گل نے بے ساختہ پوچھا تو وہ قدرے سوچ کر بولی۔

"ویری پراؤڈ اینڈ روڈ ــــ" وہ کھل کر مسکرا دی پھر بولی۔

"اور آپ کا کیا خیال ہے؟"

”میں تو پہلے ہی بتا چکی ہوں۔ یو آر ٹوٹلی ڈفرنٹ۔“ وہ شانے اچکا کر بولی پھر گویا اسے تسلی دی۔

”ڈونٹ مائنڈ یار۔ اویس کو دوسروں پر کمنٹس دینے کی عادت ہے۔ تم نے لفٹ نہیں کرائی ہو گی نا۔“

اس کے شرارتی انداز پر شہر گل کو اس کی بے خبری اور اپنی بے بسی پر ہنسی آ گئی تھی اور کچھ بھی ہو اس کا روپ نظر انداز کیے جانے والا نہیں تھا۔ لڑکی ہوتے ہوئے بھی روما کی نگاہ بھٹک بھٹک کر اس کے نقوش کو سراہنے لگتی تھی۔ اس کی مسکراہٹ آفت تھی تو ہنسی قیامت۔ تراشی ہوئی مورتی جیسے نقوش متناسب سراپا اور گھٹنوں کو چھوتے سیاہ بالوں کی موٹی سی چٹیا۔

”مجھے آج زندگی میں پہلی بار افسوس ہو رہا ہے کہ میں لڑکا کیوں نہیں ہوں۔“ وہ کہے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ اس کے لفظوں کے معنی پا کر شہر گل جھینپ سی گئی۔

”میرے خیال میں آپ کو چائے کی سخت ضرورت ہے۔“ اس کے یوں گھبرانے پر روما ہنس دی اور اسی وقت ڈور بیل بج اٹھی۔

”میرے خیال میں اویس آ گیا ہے۔“ روما کے کہنے پر اس کا دل ایک بار ڈوب کر ابھرا۔ اسے پتہ تھا کہ اب اگلے مرحلے میں پھپھو صاحبہ کا موضوع زیر بحث ہو گا۔ اویس جن کے وجود سے بھی قطعی لاعلم تھا۔

اس نے بجھے ہوئے دل کے ساتھ میجک آئی میں سے جھانکا تو اویس ہی کھڑا تھا۔ دروازہ کھولتے ہوئے شہر گل نے ایک نظر ٹی وی لاؤنج پر ڈالی سامنے صوفے پر بیٹھی روما اسی طرف متوجہ تھی۔ دروازہ کھولتے ہی شہر گل نے سلام کیا تو وہ جواب دیتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ وہ دروازہ بند کیے بغیر مڑی۔ ارادہ یہی تھا کہ وہ اسے روما کی آمد کے متعلق بتا کر ذہنی طور پر تھوڑا سا الرٹ کر دے مگر اتنی دیر میں سامنے صوفے پر بیٹھی روما یقیناً اسے دکھائی دے گئی، تب ہی وہ ششدر سا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ شہر گل خود کو سنبھالتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھی۔

”روما کب سے بیٹھی آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ کہاں رہ گئے تھے آپ؟“ وہ چونک کر شہر گل کو دیکھنے لگا۔

اس کے تاثرات گواہ تھے کہ ماحول پرسکون ہے۔ وہ گہری سانس لے کر آگے بڑھا تو روما نے قدرے اچک کر اس کے پیچھے دیکھا۔

”وہ پھپھو کہاں ہیں؟“

روما کا سوال اویس کو گڑبڑا گیا تھا مگر شہر گل خود کو پہلے ہی اس سوال کے لیے تیار کر چکی تھی، معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔

”مجھے آپ کو بتانا یاد نہیں رہا۔ دراصل پھپھو کو واپسی پر اپنی ایک دوست سے بھی ملنا تھا۔ اویس وہیں چھوڑ آئے ہوں گے۔“ اس کی بات سن کر روما ڈھیلی سی ہو کر صوفے میں دھنس گئی، جبکہ اویس اس مخمصے پر حیران و پریشان تھا۔

”آپ لوگ باتیں کریں، میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔“ شہر گل نے دانستہ اویس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا یہ اشارہ تھا کہ ”بے فکر ہو جاؤ۔“

پھر اسے بھی ایک گہری سانس لے کر صوفے میں دھنستا دیکھ کر وہ شکر ادا کرتی کچن میں چلی آئی۔

”تھینک گاڈ.....“ دھڑکنوں کی بے ترتیبی اپنی جگہ، ایک تکلیف دہ احساس بھی شدید تھا مگر اسے طمانیت یہ تھی کہ اس نے اپنی کسی غلطی سے اویس شاہ کے لیے کوئی مشکل کھڑی نہیں کی تھی۔

اس نے چائے کے ساتھ مختلف انواع کے بسکٹس پلیٹوں میں سجائے اور ٹرے اٹھائے لاؤنج میں چلی آئی۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر خاموش ہو گئے تھے۔ وہ شرمندہ تو ہوئی مگر خاموشی سے ان کے لیے چائے کے کپ بھرنے لگی۔ روما کو یکلخت یاد آیا۔

”تم کس قدر بدتمیز ہو اویس! اتنی سویٹ نیچر ہے شہر گل کی اور تم مجھے خوامخواہ میں ڈراتے رہے ہو۔“

”اسٹوپڈ.....“ اویس نے خجل ہو کر اسے گھورا۔ شہر گل کچھ کہے بغیر اٹھ گئی تو روما نے حیرت سے اسے دیکھا۔

تم چائے نہیں پیو گی؟"
"نہیں ... مجھے ابھی پھپو کے ساتھ واپس ہوسٹل جانا ہے۔ تھوڑا سا ریسٹ کروں گی۔" وہ بہانہ بنا کر معذرت کرتی بیڈ روم میں آ گئی۔
"یا خدا ... " وہ اپنی دھڑکنوں کے بدلتے انداز سے پریشان ہونے لگی۔
"ابھی تو صرف روما کو اویس شاہ کے ساتھ سوچا ہی ہے تو اس دل کو کوئی مٹھی میں جکڑنے لگا ہے ... " اس کی سوچیں بے اختیار ہو رہی تھیں۔ بہت دقتوں کے بعد خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے اپنی سوچوں کو بھی سمیٹا تھا۔
"جو موجود ہے مجھے اسی پر قناعت کرنی چاہیے۔ میرے لیے تو یہی بہت بڑا احسان ہے کہ اویس شاہ کا نام میرے نام کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ میں نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی پائی ہے تو اس کا بھی حق بنتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کی خوشی پائے۔ روما بھی بہت اچھی ہے۔ یقیناً" وہ دونوں بہت خوش رہیں گے۔"
اس کا دل بھر آنے لگا تو اس نے چہرہ تکیے میں گھسا لیا۔ پتہ نہیں وہ کتنی دیر یونہی الٹی سیدھی سوچوں میں گھری لیٹی رہی۔ پہلے دروازہ کھٹکھٹایا گیا اس کے فوراً بعد اویس کی آواز کمرے میں گونجی تھی۔
"شہر گل ... باہر آؤ ذرا۔" وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔ دروازہ نیم وا تھا اویس جا چکا تھا۔
"خدا خیر کرے ... کہیں پول تو نہیں کھل گیا۔" وہ دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے جلدی سے باہر آئی تو لاؤنج میں اویس کو تنہا پایا۔ صوفے میں دھنسا وہ اسی کا منتظر تھا۔ وہ اس کے سامنے والے صوفے کی پشت پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔
"جی ... ؟" چند سیکنڈ تک اویس اسے گھورتا رہا تو اس نے گھبرا کر چہرہ جھکا لیا۔
"یہ کیا بے وقوفی کی تھی تم نے؟" الفاظ کے برعکس اس کا لہجہ نرم ہی تھا۔ تب ہی شہر گل کی ہمت بندھی۔
"میں سمجھی کہ آپ ہیں اس لیے دروازہ کھول دیا۔ آپ نے اندر سے پوچھنے سے منع کیا تھا۔"
"میرے خیال میں وہاں ایک اور شے بھی ہے، جسے میجک آئی کہتے ہیں اور جس کا استعمال اتنے دنوں میں یقیناً" آپ بہت اچھی طرح سے سمجھ چکی ہیں۔" اس نے لطیف سا طنز کیا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔
"سوری ... مگر میں نے کوئی غلط بات نہیں کی۔" وہ خائف ہو کر جلدی سے بولی۔
"بیٹھو ... " اویس نے آنکھوں کی جنبش سے صوفے کی طرف اشارہ کیا تو وہ مرے مرے انداز میں بیٹھ گئی۔
"یہ کون سی پھپو کا ذکر ہو رہا تھا؟" وہ جرح کے موڈ میں تھا۔ اسے اور شرمساری گھیرنے لگی۔ مگر وہ کچھ غلط نہ سمجھ لے اس لیے اسے تمام تفصیل سے آگاہ کرنا بھی ضروری تھا۔
"میں نے سوچا روما کیا خیال کریں گی کہ میں یہاں

گرتے بالوں کو روکتا ہے، نئے بال اگاتا ہے،
بال لمبے اور گھنے کرتا ہے،
بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل
پچھلے 25 سالوں سے بہنیں اور بھائی استعمال کر رہے ہیں

سوہنی ہیئر آئل کے بعد
آپ کے حسن کے لیے
بیوٹی بکس کا قدرتی جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ
سوہنی ابٹن
(ہربل بیوٹی پاؤڈر)
قیمت 45 روپے
جو آپ کو حسین سے حسین تر بنائے
رنگ نکھارے، چہرے کو خوبصورت بنائے،
چہرے کا رنگ بدل کر صاف اور شفاف بنائے،
سوہنی ابٹن۔ چہرے اور ہاتھوں کی خوبصورتی کا راز
یہ آپ کے چہرے کو قدرتی حسن، جاذبیت اور دلکشی بخشتا ہے،
آپ کے چہرے کے قدرتی حسن برقرار رکھنے کا واحد ذریعہ
اور پھر کوئی یہ کہہ اٹھے گا کہ یہ حسین چہرہ کس کا ہے؟
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار کراچی

کس رشتے سے ہوں اس لیے میں نے یونہی کہہ دیا کہ میں پھپھو کے ساتھ یہاں آئی تھی اور پھپھو آپ کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی ہیں۔۔۔۔ سوری اگین۔" وہ ایک دم سے ہنس دیا تو شہرگل نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اس سے ثابت ہوا کہ تم بے وقوف نہیں ہو۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا تو اس کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہونے لگیں۔

"آئندہ سے یوں دروازہ نہیں کھولنا' پہلے میجک آئی سے دیکھ کر تسلی کرنا پھر دروازہ کھولنا کوئی اور ہوگا تو جواب نہ پا کر واپس ہو جائے گا۔"

اویس نے ایک بار پھر اسے متنبہ کیا تو اس نے فرمانبرداری سے سر ہلا دیا۔

"کھانے کو کچھ ہے کیا؟"

"جی۔۔۔۔ چکن پلاؤ ہے اور رائتہ۔۔۔۔" اس کے مینیو بتانے پر وہ کراہ اٹھا۔

"یار! کبھی کوئی سادہ سا کھانا بھی بنا لیا کرو۔"

"کیا میں اچھا کھانا نہیں بناتی؟" وہ آنکھوں میں تحیر سمیٹے اسے دیکھنے لگی اس کے اس کاروپ اور تاثرات سے چھلکتی معصومیت نے لحظہ بھر کو اویس کو سحرزدہ کر دیا تھا۔

"آئی واز جوکنگ۔۔۔۔" وہ بمشکل بولا۔ "تم کھانا لاؤ۔" اس کے جانے کے بعد وہ خود کو سرزنش کرتا کپڑے بدلنے کے ارادے سے اٹھ گیا۔ اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ شہرگل کا اس کے ساتھ دن رات کا ساتھ ایک سخت آزمائش تھی اور وہ خوامخواہ خود کو آزمانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ جلد ہی اس سلسلے میں بابا جان سے بات کر کے شہرگل کو ہوسٹل بھجوا دے گا۔

☆ ☆ ☆

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا اور تم کیوں شرلاک ہومز کی چچی بنی ہوئی ہو؟" عامر سخت جھنجلا گیا تھا ذوباریہ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

"اسٹوپڈ۔۔۔ ان میرڈ لڑکی کو چچی نہیں کہا جاتا۔"

"تم شاید بھول رہی ہو کہ میں سفیان کو شرلاک ہومز کہتا ہوں۔" اس نے مزے سے اپنے چھوٹے بھتیجے کا نام لے کر کہا تو ذوباریہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"مجھے پتہ ہے۔۔۔۔ بات کچھ بھی نہیں تھی تم صرف گرم گرم سوپ اڑانا چاہ رہی تھیں' وہ بھی میری حق حلال کی پاکٹ منی سے۔" عامر نے پُریقین لہجے میں کہا۔ تو اس نے احتجاجاً سوپ کا پیالہ پرے کھسکا دیا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ یہ کوئی بات ہی نہیں ہے؟"

"یار! وہ اس کی کزن ہے' جب جی چاہے اس کے فلیٹ میں جا سکتی ہے۔" عامر نے اسے سمجھایا۔

"ایویں جا سکتی ہے۔۔۔۔ وہ اکیلا رہتا ہے وہاں اور بقول تمہارے اس کی کوئی پھپھو اس شہر میں نہیں رہتی اور نہ ہی کوئی خالہ۔ پھر یہ کون سی آنٹی تھیں جن کے پاس شہرگل گئی تھی؟"

"کم آن ذوبی! ۔۔۔ تم ایک فضول بحث میں سر کھپا رہی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اویس نہ سہی شہرگل ہی کی کوئی آنٹی وہاں رہائش پذیر ہوں' میں اس کے متعلق تو کچھ نہیں جانتا۔" عامر نے اس کے شکوک و شبہات ختم کرنے چاہے تھے۔

"ہاں۔۔۔۔" اس نے ہاں کو لمبا سا کھینچا پھر تاسف سے بولی "یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔"

"سوچنے کے لیے جس چیز کی ضرورت پڑتی ہے بدقسمتی سے وہ چیز تمہارے پاس نہیں ہے۔" عامر نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔ وہ چپ چاپ گرم سوپ کے پیالے پر نظریں جمائے سوچتی رہی۔

☆ ☆ ☆

"گل! کیا تم اویس شاہ میں انٹرسٹڈ ہو؟" ذوباریہ کا سوال بہت غیر متوقع تھا۔ مگر اس نے اپنے تاثرات پر قابو پاتے ہوئے اسے گھور کر دیکھا۔

"اب کیا دورہ پڑنے لگا ہے تمہیں؟"

"پہلے سوال میں نے کیا تھا۔" وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولی تو شہر گل نے گہری سانس لی۔

"نہیں۔۔۔"

"اور ادھر کیا صورت حال ہے؟"

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا، کیا اوٹ پٹانگ سوال کر رہی ہو؟" وہ سنجیدہ تھی۔ مگر زوباریہ کا انداز نہیں بدلا تھا۔

"بتاؤ نا۔ کیا وہ تم میں انٹرسٹڈ ہے؟"

"بالکل بھی نہیں۔ وہ روما سے کمیٹڈ ہے اور یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتی ہو۔"

"یعنی کہ تم ہر طرح سے کلیئر ہو۔" زوباریہ کو اطمینان ہوا۔ مگر وہ زچ ہو گئی۔

"اب تم مار کھاؤ گی مجھ سے۔"

"بصد شوق۔ مگر پہلے میں تمہیں کیک کھلاؤں گی پھر ایک شاندار سا ڈنر اس کے بعد تم مجھے کچھ بھی کھلا سکتی ہو۔"

"یہ کیک اور ڈنر کا کیا چکر ہے۔ کہیں عامر کو ہاں تو نہیں کر دی؟" شہر گل کو بھی شرارت سوجھی۔ جواباً زوباریہ نے نوٹ بک اس کے شانے پر رسید کی تھی۔

"کل میرا برتھ ڈے ہے۔ اس کا انوی ٹیشن دے رہی ہوں۔ ٹھیک شام سات بجے۔۔۔"

"سوری بھئی ۔۔۔ میری طرف سے پیشگی معذرت۔" وہ فوراً" پہلو بچا گئی۔ ابھی اس دن لانگ ڈرائیو پر جانے والا واقعہ اسے بھولا نہیں تھا۔ وہ اویس کو دوبارہ ناراض ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

"کوئی ایکسکیوز نہیں۔ تمہیں ہر حال میں آنا ہے۔" زوباریہ نے دھونس جمائی۔

"پلیز زوبی! تمہیں پتہ ہے نا مجھے اجازت نہیں ملے گی۔"

"کون ۔۔۔ کس سے اجازت لینی ہے تمہیں؟" وہ پوچھنے لگی تو وہ سٹپٹا گئی۔

"تمہاری آنٹی سے میں خود پوچھ لوں گی اور اگر تم اویس سے ڈر رہی ہو تو تمہاری آنٹی اسے سمجھا لیں گی۔" زوباریہ نے لمحوں میں مسئلہ کا حل نکال لیا

انشاجی کے سدا بہار اور شگفتہ
کالموں سے انتخاب

آپ سے کیا پردہ
ابن انشاء

قیمت: =/250 روپے
ڈاک خرچ: =/30 روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے
=/280 روپے روانہ کریں۔

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 - اردو بازار، کراچی

تھا۔ اس کا اطمینان شہر گل کا اطمینان غارت کرنے لگا۔

"مجھے پتہ ہے نا۔ آنٹی کبھی نہیں مانیں گی۔ تم ان سے بات کرو گی تو وہ اور خفا ہوں گی۔ ہمارے ہاں اتنی آزادی نہیں ہے کہ سہیلیوں کے گھریلو فنکشنز اٹینڈ کیے جائیں۔" اس نے جلدی سے بہانہ بنایا۔

"ہاں..... اور لڑکے چاہے کسی بھی لڑکی کو لیے گاڑیوں میں پھرتے رہیں۔" وہ اویس پر طنز کر رہی تھی مگر شہر گل خاموش ہی رہی۔

"تم مجھے اپنی آنٹی سے ملواؤ میں خود ان کو مناؤں گی۔" وہ بضد تھی۔ شہر گل نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی بہت سے بہانے بنائے مگر وہ کچھ سمجھنے کو تیار ہی نہیں تھی۔

"تم یوں کیوں نہیں کہتیں کہ تم خود ہی آنا نہیں چاہتیں۔ بہانے مت بناؤ' دیکھ لی ہے میں نے تمہاری دوستی۔" وہ سب چھوڑ چھاڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ شہر گل حق دق رہ گئی۔

"اچھا بات تو سنو....." اس نے زوباریہ کا ہاتھ کھینچ کر دوبارہ اسے بٹھایا۔ پھر ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"اصل میں بات یہ ہے کہ آنٹی تو شاید اجازت دے ہی دیں مگر یہ جو اویس شاہ ہے نا اسے یہ سب پسند نہیں ہے۔ بابا سائیں جو مجھے اس کے ذمہ لگا گئے ہیں اس لیے وہ بہت روک ٹوک کرتا ہے۔" وہ آدھا جھوٹ آدھا سچ کہہ رہی تھی۔ زوباریہ کے تاثرات بدلنے لگے۔

"اس سے میں خود بات کرلوں گی۔ تم بس خود تیار رہنا۔"

"شہر گل بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

اسی شام فون پر عامر نے زوباریہ کا اپنی کزن ہونے کے ناتے سے تعارف کرایا اس کے بعد ریسیور زوباریہ نے سنبھال کر اپنی تقریر کا آغاز کر دیا اویس کو اجازت دیتے ہی بنی تھی۔

"اوکے..... آپ اسے ڈراپ کریں گے یا میں ڈرائیور کو ہوسٹل بھیج دوں؟"

"نہیں..... میں خود اسے ڈراپ کر دوں گا۔" وہ اس کی آفر کے جواب میں فوراً بولا۔ ریسیور رکھتے ہی اس نے کچن میں کھانا پکاتی شہر گل کو بلایا۔ معاملہ سامنے آتے ہی وہ صاف مکر گئی۔

"میں نے تو اس سے نہیں کہا۔ وہ خود ہی اتنا اصرار کر رہی تھی۔ تب میں نے آپ کا نام لے دیا۔ مجھے پتہ تھا کہ آپ انکار کر ہی دیں گے۔"

"مگر میں نے انکار نہیں کیا۔" وہ آرام سے بولا اور اٹھ کر ٹی وی آن کر دیا۔ وہ پریشان ہو گئی۔

"یہ آپ نے کیا کیا..... میں کبھی کسی کے گھر بھی نہیں گئی۔ کجا کسی فنکشن میں۔"

"ہر کام کبھی نہ کبھی پہلی بار تو ہوتا ہی ہے۔" وہ سرسری انداز میں کہتے ہوئے چینل تبدیل کرنے لگا۔

"لیکن اس کا برتھ ڈے ہے۔ گفٹ بھی دینا پڑے گا۔" اس نے پریشانی سے اویس کو آگاہ کیا۔

"اسی لیے میں منع کرتا تھا کسی سے دوستی بڑھانے سے۔" وہ کوئی آسان حل نہ پا کر چڑ گیا تھا۔

"میں کوئی بہانہ بنا کے انکار کر دیتی ہوں۔" وہ پشیمان تھی۔ یہ مصیبت اسی کی وجہ سے تو آئی تھی ازالہ بھی اسی کو کرنا تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ بے دلی کے عالم میں ٹی وی دیکھتا رہا پھر اٹھ کر ٹی وی آف کیا اور سرسری انداز میں بولا۔

"چلو آؤ....."

"کہاں.....؟" وہ سٹپٹا گئی۔

"کوئی گفٹ تو خریدنا ہی ہے نا۔" والٹ چیک کرتا ہوا وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے انداز میں بیزاری بہت واضح تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ گاڑی کی چابی اور اپنے گلاسز لے کر آیا تو وہ یوں ہی کھڑی تھی۔

"سنا نہیں تم نے؟" وہ جھلا گیا تھا۔

"مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے شاپنگ کا۔ میں کبھی بازار گئی ہی نہیں۔" اس کے غصے سے خائف ہو کر وہ جلدی سے بولی۔

"تو کیا کرنا ہے اب؟ خالی ہاتھ جاتی کیا بہت اچھی لگو گی۔ جاؤ جلدی سے تیار ہو کے آؤ میں نیچے انتظار کر رہا ہوں۔"

"آپ پلیز ناراض مت ہوں۔ میں نے کبھی ایسے فنکشنز اٹینڈ نہیں کیے۔ میں نے تو سوچا تھا کہ آپ انکار کردیں گے اس لیے ۔۔۔۔" اس کی آواز بھیگنے لگی تھی۔ اویس کوفت کا شکار ہونے لگا۔

"اب تو پروگرام بن گیا ہے نا۔ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلینے سے تو کچھ نہیں ہوگا۔ چلو جلدی کرو۔"

وہ خاموشی سے اندر چلی گئی۔ اگلے چند سیکنڈز میں وہ سلیقے سے دوپٹہ اوڑھے باہر آئی۔

اویس شاہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے جانا ایک دلچسپ تجربہ سہی، مگر گفٹ خریدنا اس کے لیے ایک بہت بڑا مسئلہ بن گیا تھا۔

"میں نے کبھی کسی کو کچھ گفٹ دیا ہی نہیں۔" وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی تو وہ تاسف سے بولا۔

"بہت بری بات ہے۔ تم نے اپنی فرینڈز کو بھی کبھی گفٹ نہیں دیے حالانکہ یہ تو ایک خوب صورت سا اظہار ہوتا ہے۔ مضبوط دوستی اور محبت کا۔" قدرے توقف کے بعد وہ بے حد یاسیت سے بولی۔

"یہ تو آپ کی مہربانی ہے کہ مجھے ذوباریہ جیسی اچھی دوست مل گئی ورنہ حویلی میں تو مجھے اس بات کی اجازت ہی نہیں تھی۔ زندگی میں پہلی بار میں نے کسی سے دوستی کی خوشی پائی ہے۔"

وہ چپ ہوگیا۔ حویلی کے اصول و قواعد تو اس پر بہت اچھی طرح سے منکشف ہو چکے تھے۔ بھلا شاہوں کا غرور کہاں گوارا کرتا تھا کہ ان کی عورتیں دوسری عورتوں سے تعلقات بڑھائیں۔ جنہیں وہ نیچ ذات اور کمی کمین سمجھتے تھے۔

"چلو آج سے پھر ایک اور دوست بنالو۔" وہ بولا تو لہجہ خوشگوار تھا۔ تھوڑی دیر پہلے والی کوفت و بیزاری بالکل غائب تھی۔

"کون ۔۔۔؟" وہ ناسمجھی کی کیفیت میں اسے دیکھنے لگی تو وہ مسکرادیا۔

"میں ۔۔۔"

"آپ ۔۔۔" وہ پہلے حیران ہوئی پھر جھینپ گئی۔

"بھلا مردوں کو بھی کبھی دوست بنایا جاتا ہے۔ آپ تو سر کے سائیں ہی اچھے لگتے ہیں۔"

اس کی سادگی بہت بے ساختہ قسم کی تھی۔ اویس خاموش ہوگیا۔ پھر اسے سمجھانے والے انداز میں بولا۔

"میاں بیوی کے رشتے میں سب سے پہلی چیز دوستی ہے۔ اسے تم اس رشتے کی روح کہہ سکتی ہو۔ کیا تم نے کبھی سوچا ہے کہ دوستوں کے ساتھ نہ تو ہمارا کوئی خونی رشتہ ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی خاندانی۔ پھر ان سے ہماری محبت اور جذبات میں فرق کیوں ہوتا ہے؟" وہ اس سے پوچھنے لگا۔ شہر گل نے نفی میں سر ہلادیا۔

"صرف اس لیے کہ دوستی کے رشتے میں کوئی غرض نہیں ہوتی۔ یہ ایک واحد رشتہ ہے۔ جو آپ اپنی خالصتاً دلی رضامندی سے بناتے ہیں۔ اپنی سوچ اور اپنی پسند کے مطابق اور اگر میاں بیوی کے درمیان دوستی کا رشتہ مضبوط ہو تو نا صرف تعلقات مضبوط ہوتے ہیں بلکہ آپس میں اعتماد و اعتبار بھی مضبوط ہوتا ہے، جو کسی بھی تعلق کو کڑے سے کڑے وقت میں بھی ٹوٹنے سے بچائے رکھتا ہے۔ اعتماد و اعتبار بھی دوستی ہی کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کے بغیر دوستی ناممکن ہے اور دوستی کے بغیر یہ۔"

اس نے بہت سنجیدگی سے کہتے ہوئے گاڑی ایک بوتیک کے سامنے روک دی۔

"لیڈیز شاپنگ کا تو مجھے بھی کوئی تجربہ نہیں ہے لیکن میرا خیال ہے کہ کوئی لباس خریدنا سب سے آسان کام ہے۔" اس نے بات مکمل کرتے ہوئے اسے نیچے اترنے کا اشارہ کیا تو وہ جھجکتے ہوئے اس کی تقلید میں گاڑی سے اتر گئی۔

زندگی میں پہلی مرتبہ وہ کسی مرد کے ساتھ خریداری کے لیے یوں آئی تھی، یہی وجہ تھی کہ ہر نظر اسے خود پر مرکوز دکھائی دے رہی تھی۔

"تم اپنے لیے بھی کچھ خرید لینا۔" اسے اچانک خیال آیا۔

"میرے پاس تو پہلے ہی بہت سے کپڑے ہیں۔ چچی

جان نے اور حمنیٰ نے لے کر دیے تھے۔" وہ سادگی سے بولی تو اویس نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک خوب صورت سا ریڈ اینڈ بلیک کنٹراسٹ کا سوٹ نکال کر اس کے ساتھ لگایا تو وہ بدک کر پیچھے ہٹ گئی۔

"اچھا ہے نا؟ یہ تمہارے لیے ہے۔" وہ اس کے انداز پر مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا تو وہ خجل سی ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"کوئی بھی نہیں دیکھ رہا۔ اینڈ مائنڈ اٹ۔ یونہی چیک کر کے خریدتے ہیں۔" اس کے بے باک انداز پر شہر گل شرما گئی وہ اس کی کیفیت سے بے خبر ہرگز نہیں تھا۔

اویس نے اس کے لیے لیف گرین اینڈ مسٹرڈ کڑھائی سے مزین ایک سفید لباس پسند کیا تو وہ دبے دبے لفظوں میں احتجاج کر بیٹھی۔

"ہم زوباریہ کے لیے گفٹ لینے آئے تھے۔"

"وائٹ میں ہی ایک پیس اس کے لیے بھی لے لیتے ہیں۔" وہ بہت اطمینان سے بولا اور پھر سیلز مین کو اشارہ کر کے بلاتے ہوئے اپنی پسند کے ملبوسات کے بارے میں بتانے لگا۔

"اور کچھ دیکھنا ہے؟" اس نے پوچھا تو تھا۔ اس نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔ کاؤنٹر پر پے منٹ کر کے وہ لوگ باہر نکل آئے۔

"مجھے تو بھوک لگنے لگی ہے۔" رسٹ واچ دیکھتے ہوئے اس نے خود کلامی کی۔ پھر گاڑی میں بیٹھتے ہی شاہانہ انداز میں آفر کی۔

"کیا یاد کرو گی تم بھی آج، تمہیں کسی اچھے سے ہوٹل میں ڈنر کراتا ہوں۔"

"نہیں پلیز....." وہ بعجلت اسے ٹوک گئی۔ "مجھے پہلے ہی بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ اب گھر چلیں۔"

وہ اگنیشن میں چابی گھماتا رک کر اسے دیکھنے لگا۔

"تمہاری یہی گھبراہٹ تو میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اب تمہیں یہیں رہنا ہے یہی تمہارا الیونگ اسٹائل ہو گا۔ تمہیں بہت پر اعتماد ہونا چاہیے۔ بات بات پہ گھبراتی رہو گی تو کیسے چلے گا؟" اس کے سمجھانے والے انداز پر وہ عجوب سے انداز میں مسکرا دی پھر مدھم لہجے میں بولی۔

"آپ جو ہیں میرے ساتھ۔" جواباً کچھ کہتے ہوئے وہ رک گیا تھا۔ پھر گہری سانس لے کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

ہوٹل میں داخل ہونے اور پھر اپنی ٹیبل تک پہنچنے تک وہ بے حد نروس ہو چکی تھی۔

"ریلیکس۔ کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا سب لوگ اپنے آپ مگن بیٹھے ہیں۔" اس نے نرمی سے ٹوکا۔ مگر اویس کے سمجھانے اور بہلانے کے باوجود اس نے برائے نام ہی کھانا کھایا تھا۔

واپسی کے سفر میں ان دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی مگر شہر گل کے لیے تو یہ خاموشی ہی بہت با معنی تھی۔ اویس کے ساتھ گزرتا ایک ایک لمحہ اس کے منجمد وجود کو حیات بخشتا جا رہا تھا۔ اس نے کب دیکھا تھا کسی مرد کا ایسا روپ؟۔

اتنا مہربان کہ ہر ساعت دان کرنے کو تیار' اس کی کوتاہیوں کو نظر انداز کرتا اسے خود اعتمادی کا درس دیتا۔ دھیمی سی مہربان مسکراہٹ لیے اور کبھی دوستانہ انداز میں ہنستا ہوا۔

اس کی نگاہ اسٹیئرنگ وہیل کو تھامے اویس کے مضبوط ہاتھوں پر ٹھہر گئی اور پھر رکتی' جھجکتی اس نگاہ نے آہستگی سے اس کے چہرے تک کا سفر کیا تھا۔ وہ سامنے دیکھتا ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

آگہی کا جانے کیسا در کھلا تھا کہ شہر گل کو اپنی ہستی ڈگمگاتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اسے بہت شدت سے احساس ہوا تھا کہ اویس شاہ کی محبت اس کی رگ رگ میں لہو بن کے دوڑنے لگی ہے۔ لمحہ بھر ہی میں اس خیال نے اس کا چہرہ تپا دیا وہ فوراً رخ موڑ کر کھڑکی سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگی۔

☆ ☆ ☆

اس نے بہت شوق سے اویس کا لایا ہوا سوٹ پہنا

تھا۔ لمبے سیاہ بالوں کی چٹیا کیے وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو۔" اسے دیکھتے ہی وہ بے اختیار بولا۔ انداز میں دوستانہ سی بے تکلفی تھی مگر شہر گل کے لیے تو ایک فقرہ ہی بہت حیا بار تھا۔

"وہ... اس کے ساتھ کوئی اسکارف نہیں ہے۔" وہ بات کا تاثر ختم کرنے کے لیے بات بدل گئی۔

"ضرورت بھی کیا ہے۔ یہ تین گز کا دوپٹہ کافی نہیں ہے کیا؟" وہ اس پر نظر ڈالتے ہوئے مسکرایا۔

ہلکی ہلکی کڑھائی سے سجا کلف دار دوپٹہ سنبھالنے میں اسے بہت دقت پیش آرہی تھی۔ وہ تو بڑی سی چادر اوڑھنے کی عادی تھی مگر حمنیٰ نے اسے اسکارف لینے کی عادت ڈال دی تھی۔

"آپ مجھے لینے کب آئیں گے؟" حسب عادت اسکارف اوڑھ کر گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے پوچھا۔ وہ مسکرا دیا۔

"پہلے چلی تو جاؤ۔ آنے کی فکر بھی پڑ گئی۔"

"پتہ نہیں وہاں کتنے زیادہ لوگ ہوں گے۔" وہ سوچ کر ہی گھبرا رہی تھی۔

"بی کانفیڈینٹ، یوں تو تم زوباریہ کو بھی سب کے سامنے شرمندہ کرواؤ گی۔" اویس نے اسے سرزنش کی۔

"اتنی جلدی تو میں ان فضاؤں کی عادی نہیں ہو سکتی نا۔" اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ کا اعتماد اور اعتبار وہ پر ہیں جنھوں نے میرے اندر ان فضاؤں میں اڑنا سیکھنے کی خواہش پیدا کی ہے۔ مجھے اپنے پیروں تلے زمین اور سر پر مہربان آسمان کا سایہ محسوس ہونے لگا ہے، ورنہ حویلی کی سنگلاخ اور بے رحم دیواروں میں تو ہر جذبہ برف ہو چکا۔ سپاٹ نظروں اور بے حس لہجوں نے زندگی کو موت سے بھی بدتر کوئی شے بنا دیا تھا۔ آپ سے اچھا تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

اس کے لہجے میں یاسیت کے ساتھ ساتھ اپنا پن محسوس کر کے وہ ساکت بیٹھا رہ گیا۔

اسے بہت کچھ غلط ہوتا محسوس ہونے لگا تھا۔ ایک لڑکی جسے وہ "کاغذی مہمان" بنا کر محض امانتاً اپنے پاس رکھے ہوئے تھا وہ مکمل طور پر اس پر انحصار کرنے لگی تھی۔

"وہ... تم لپ اسٹک وغیرہ استعمال نہیں کرتیں؟" بہت دقت کے ساتھ اس نے ٹاپک بدلنے کی کوشش کی۔ مگر نتیجہ حسب توقع نکلا وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے ہنس دی۔

"وہ تو میں نے زندگی میں کبھی نہیں لگائی۔" اویس نے اسے دیکھا تو سرخ لبوں نے نظر کو جکڑ لیا اور اس پر مستزاد ہلکا سا گلابی پن لیے آنکھیں۔ وہ گڑبڑا کر سامنے دیکھنے لگا۔

وہ کوئی شعوری کوشش نہیں کرتی تھی مگر اس کا حسن یقیناً" بے حد اثر پذیر تھا اور جو ہے خوب صورت شے کسی کی دسترس میں ہو یا نہ ہو اٹریکٹ تو سب ہی کو کرتی ہے۔ مگر اویس کو اپنا اور اس کا تعلق بہت محتاط رکھنا تھا ورنہ روما سے وہ بہت بے تکلفی اور دھڑلے سے بات چیت کرتا تھا۔ جبکہ شہر گل سے بات کرنے کے دوران وہ خیال رکھتا تھا کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جس سے وہ مزید توقعات وابستہ کرے۔ باہر کھڑی گاڑیوں کی تعداد اور چمکتے دمکتے لان نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

"یہ تو بہت بڑا فنکشن ہے۔"

"سو واٹ؟ تم زوباریہ کے ساتھ رہنا وہ سنبھال لے گی۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"اچھا آپ مجھے اندر تو چھوڑ آئیں۔ میں یہاں کسی کو نہیں جانتی۔" اس کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ وہ جھنجلا گیا۔

"میری کیا وہ خالہ کی بیٹی ہے؟ میں نے تو اسے دیکھا بھی نہیں۔"

"تو میں اتنی گیدرنگ میں اسے کہاں ڈھونڈوں گی؟"

وہ رونے والی ہو رہی تھی۔ وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔ پھر وہ اس کے ساتھ نیچے اترا تھا۔ یہ بھی شکر تھا

کہ گیٹ سے داخل ہوتے ہی عامر کی نگاہ ان پر پڑ گئی تھی۔ وہ فوراً ان کی طرف آیا۔

"یار! اسے زوباریہ تک پہنچا دو۔"

"او شیور..... بلکہ میں زوباریہ ہی کو ادھر بلا لیتا ہوں۔" وہ کہتا ہوا پلٹ گیا۔

"اب خبردار جو یہ رونی صورت بنائی۔ ایسے فنکشنز کو اچھی طرح انجوائے کرنا چاہیے۔" اویس نے موقع پا کر ایک بار پھر اسے سمجھایا مگر وہ تو کمس گیدرنگ دیکھ کر اور پریشان ہو رہی تھی۔

"آپ مجھے لینے کب آئیں گے؟" ہلکی سی سانس کھینچتے ہوئے اس نے رسٹ واچ پر نظر دوڑائی آج اسے روما کے ساتھ ڈنر بھی کرنا تھا اور ایک میوزک کنسرٹ بھی اٹینڈ کرنا تھا۔

"جلدی آجاؤں گا۔ مگر تم میرا انتظار کرنا یہ نہ ہو کہ زوباریہ کے ساتھ چل پڑو۔" وہ دیر ہو جانے کے خیال سے اس سے کہہ رہا تھا۔ زوباریہ آتے ہی اس سے لپٹ گئی۔

"اف..... مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے تمہیں یہاں دیکھ کر۔ اگر تم نہ آتیں تو میں نے تمہارا حشر کر دینا تھا۔"

اویس کے سامنے بے تکلفی اور پیار کے اس مظاہرے پر وہ بوکھلا گئی۔ مگر یہ بات زوباریہ کی سمجھ میں آنے والی نہیں تھی۔ پھر وہ اویس کی طرف متوجہ ہوئی تو وہ بولا۔

"ذرا اپنی دوست کا خیال رکھیے گا اس کی پہلے ہی ہوائیاں اڑی ہوئی ہیں۔"

"آپ بالکل فکر مت کریں اور اسے لے کر آنے کا بہت بہت شکریہ۔"

"نو مینشن پلیز۔ یہ تو آپ کا دونوں کا حق بنتا ہے کہ آپ اپنی خوشیوں کو مل کر سلیبریٹ کریں۔" وہ بہت شائستگی سے بولا۔

"آئیں نا آپ بھی، ویسے میری بداخلاقی ہی تھی کہ آپ کو انوی ٹیشن نہیں دیا۔ میں نے سوچا تھا آپ بہت بداخلاق اور سڑیل سے کزن ہوں گے جیسا کہ گل کی باتوں سے لگتا لیکن اب میں نے اس فیصلے پر نظرثانی کر لی ہے، آیئے نا آپ کو ڈیڈی سے ملواؤں۔"

زوباریہ کی زبان کے آگے بند باندھنا کسی ڈیم کے آگے بند باندھنے سے بھی زیادہ مشکل کام تھا۔ شہر گل اسے گھورتی رہ گئی۔ جبکہ عامر نے زچ آ کر اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ اویس ہنسنے لگا۔

"پھر کبھی سہی، ابھی میری ایک بہت ضروری اپائنٹمنٹ ہے۔" وہ عامر کے ساتھ ہی باہر نکل گیا۔

"بہت خوب صورت لگ رہی ہو گل! تم اس فنکشن کی واحد لڑکی ہو جو وائٹ ڈریس میں ہو اور میک اپ بھی نہیں کیا ہوا ہے۔ جی چاہ رہا ہے تمہیں مس ورلڈ اناؤنس کر دوں۔" وہ اس کا ہاتھ اپنی مٹھی میں جکڑتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ شہر گل نے چڑ کر گفٹ پیک اس کے ہاتھوں میں تھما دیا۔

"بس کرو اب یہ فضول گوئی۔ میں نروس ہو رہی ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے اسے لان میں لے آئی۔ بہت سی ستائشی نگاہیں بے اختیار اس کی طرف اٹھی تھیں۔ وہ کنفیوز ہونے لگی۔ مگر زوباریہ کا ساتھ اسے بہت تقویت دے رہا تھا، کچھ یونیورسٹی کے ماحول کا تجربہ بھی کام آ رہا تھا۔

زوباریہ کی ممی بھی بہت محبت سے ملی تھیں۔

"صحیح کہہ رہی تھی زوباریہ، تم واقعی بہت کیوٹ ہو۔" وہ جھینپ گئی۔ یوں بار بار سب کی زبان سے اپنی تعریفیں اسے عجیب سی لگ رہی تھیں۔ اس سے پہلے حویلی میں کبھی کسی نے اسے یہ احساس نہیں دلایا تھا اور نہ ہی کبھی اس نے اس نظر سے آئینہ دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

زوباریہ کے ڈیڈی بھی بہت اچھے تھے۔ اس کی کزنز کتنی ہی دیر شہر گل کو گھیرے رہی تھیں۔ کوئی اس کے لمبے بالوں کا راز پوچھ رہی تھی تو کوئی دمکتی رنگت کا۔ کسی کو اس کے ہاتھوں پیروں کا گلابی پن بھا رہا تھا تو کوئی اس کی دلکشی کا راز اگلوانے کی کوشش میں تھی۔ کیک کاٹنے کے بعد جب ڈنر شروع ہو گیا تب

زوباریہ اسے نسبتاً پرسکون گوشے میں لے آئی۔
"یہ سب کیا ہے زوبی؟"
مجھے یہ سب بہت برا لگ رہا ہے۔ سب مجھے اس قدر کانشس کر رہے ہیں۔" وہ ناراضی سے کہنے لگی۔
"یہ سب تمہاری حسین صورت کا قصور ہے۔" زوباریہ مزے سے ہنسی تو اس نے خفگی سے منہ پھلا لیا۔
"اچھا اب اپنا موڈ ٹھیک کرو میں تمہیں ایک بہت خاص بندے سے ملواتی ہوں۔" لفظ بندے پر اس کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔
"کون... کس سے؟"
"آذر بھائی سے۔" زوباریہ نے بے توجہی سے کہتے ہوئے کسی کو بہت زور و شور سے ہاتھ ہلا کر اشارہ کیا۔ وہ بدک اٹھی۔
"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا؟ میں نے کبھی یونیورسٹی میں کسی لڑکے سے بات نہیں کی اور تم مجھے پتہ نہیں کس سے ملوا رہی ہو۔"
"میرے بڑے بھائی ہیں یار! بہت زبردست ہیں۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔ اسی وقت وہ بندہ ان کے سامنے آگیا۔
"یہ میری بہت پیاری سی دوست ہے شہر گل۔" زوباریہ نے بہت پرجوش انداز میں تعارف کرایا۔ اس کا انداز شہر گل کو مزید شرمندہ کرنے لگا۔
"بولتی نہیں ہیں کیا؟" آنے والے نے توصیفی نگاہ ڈالتے ہوئے شرارتاً پوچھا تو ناچار زوباریہ کے گھورنے پر اس نے مدھم آواز میں سلام کیا۔ جس کا جواب بہت پرجوش انداز میں دیا گیا۔
"یہ میرے بڑے بھائی ہیں اسٹیٹس میں ہوتے ہیں آج کل اپنی شادی کے سلسلے میں آئے ہوئے ہیں۔" زوباریہ تفصیل سے بتا رہی تھی کہ یہ فنکشن بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔
"اوہ..." شہر گل رنگ برنگی ماڈرن سی لڑکیوں پر ایک نظر ڈال کر رہ گئی۔
اس کے بعد آذر ان کے پاس ہی کھڑا رہا تھا۔ اس کی نظروں کے انداز پر شہر گل کی ہتھیلیاں پسیجنے لگیں۔ وہ بہانے بہانے سے اس سے مخاطب ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ جبکہ شہر گل نے اس کی کسی بھی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ ان دونوں بھائی بہن کے آنکھوں کے اشارے اسے پریشان کرنے لگے تھے۔ اس پر مستزاد زوباریہ کو ڈیڈی نے بلایا تو وہ اسے وہیں کھڑا رہنے کا کہتے ہوئے چلی گئی۔ لمحوں میں اس کا جمع شدہ اعتماد ہوا ہو گیا تھا۔
"آپ اتنی خاموش کیوں رہتی ہیں؟" وہ اپنی پُر اعتماد نگاہیں اس پر جمائے مسکراتے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
"بس یونہی..." وہ بمشکل بولی تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ کتنی ہی جیلس ہوتی نگاہیں ان دونوں پر مرکوز تھیں۔
"ویری اسٹرینج، زوبی تو پتھروں کو بھی بولنے پر مجبور کر دیتی ہے۔" وہ شانے اچکاتے ہوئے حیرت سے بولا اور موضوع ایسا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ سنبھلنے لگی۔
"وہ اتنا زیادہ تو نہیں بولتی۔"
"آپ تو ظاہر ہے اپنی فرینڈ ہی کی حمایت میں بولیں گی۔" اس نے لطف لیا تھا۔ اس کا انداز سمجھے بغیر وہ بے اختیار بولی۔
"وہ بہت اچھی ہے۔"
"ظاہر ہے، میری بہن جو ہوئی۔" اس نے فوراً کریڈٹ لیا۔ شہر گل گڑبڑا کر چپ ہو رہی۔ کئی پل یونہی گزرے۔ پھر وہ کہنے لگا۔
"آپ کھانا کیوں نہیں کھا رہیں؟"
"ابھی زوبی آئے گی تو..." وہ بے بس ہونے لگی۔ کسی اجنبی سے اتنی باتیں کرنا اس کے مزاج کے خلاف تھا سو اندر سے شدید مزاحمت اٹھنے لگی تھی جو سراسر گھبراہٹ کی صورت میں تھی۔
"اوکے..." وہ اس کی گھبراہٹ نوٹ کرتا فوراً سنجیدہ ہو گیا۔ "میں ابھی زوبی کو بھیجتا ہوں، آپ شاید میری موجودگی سے پریشان ہو رہی ہیں۔"
وہ اپنی ہتھیلیاں مسلتی رہ گئی کہ کوئی جواب بن نہیں

پایا تھا۔ وہ ذوباریہ کو بلانے چل دیا' تب اس کی سانسیں بحال ہوئیں۔ ذوباریہ کے آتے ہی وہ دھیمی آواز میں اس پر خفا ہونے لگی۔

"بہت بدتمیز ہو تم۔ مجھے اکیلا چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔" ذوباریہ اس کی بات پر خوب ہنسی۔

"اتنا بڑا بندہ تو چھوڑ کر گئی تھی تمہارے پاس۔"

"بہت بری بات ہے ذوبی' تمہیں پتہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں ان سب باتوں کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔" وہ شاکی ہونے لگی۔ "حویلی سے نکل آنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں اپنی روایتوں کو بھی بھول جاؤں میرے لیے یوں مردوں کا سامنا کرنا ہی بہت بڑی بات ہے کجا ان سے یوں بے تکلفانہ بات چیت اور میل جول۔۔۔"

"آئی ایم سوری گل۔۔۔۔ رئیلی سوری۔" ذوباریہ فوراً اس سے لپٹ گئی۔

"یقین کرو میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ متاسف تھی' شہر گل نے بھی بات بڑھانا مناسب نہیں سمجھا۔ باقی تمام وقت وہ اس کے ساتھ رہی۔ شہر گل نے بھی نوٹ کیا تھا اور ذوباریہ نے بھی بتایا تھا کہ فنکشن میں موجود تقریباً تمام ہی لڑکیاں آذر ملک کی توجہ کی طالب تھیں۔

"سب کو پتہ ہے کہ اس بار ممی ان کی شادی کروا کے ہی بھیجیں گی۔ اب بھلا اس قدر کوالیفائڈ اور ویل سیٹلڈ بندے کو کون ہاتھ سے نکلنے دے گا۔" ذوباریہ کے لہجے میں بھائی کے لیے محبت کے ساتھ تفاخر بھی جھلک رہا تھا۔

اور یہ تفاخر یونہی نہیں تھا۔ آذر ملک کی پرسنالٹی واقعی نظرانداز کیے جانے والی نہیں تھی اوپر سے امریکن نیشنلٹی کا "تڑکا" بھی لگا ہوا تھا۔

رات گیارہ بجے مہمانوں کی رخصتی عمل میں آنے لگی تو وہ بھی بے چین ہونے لگی۔ ایک تو نیند بری طرح سے حملہ آور ہو رہی تھی اوپر سے اویس کا کہیں اتا پتا نہیں تھا۔

"پتہ نہیں اویس کیوں نہیں آئے ابھی تک۔"

"تم کون سا باہر بیٹھی ہو۔ اپنے ہی گھر میں ہو اور ویسے بھی ایسا موقع روز روز تھوڑی ملنے والا ہے۔ کیا پتہ تمہارا کزن کب پھر سے سڑیل اور بدمزاج بن جائے۔" ذوباریہ کے انداز پر وہ بے ساختہ مسکرا دی۔ پھر وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

"دراصل میں کبھی اتنی دیر تک گھر سے باہر نہیں رہی نا۔"

"کیا میں آپ کو جوائن کر سکتا ہوں؟" خالصتاً امریکی لب و لہجے میں ان کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت طلب کرنے والا آذر ملک تھا۔ وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ اسے پتہ تھا کہ اس کی وجہ سے ذوباریہ خود اپنے بھائی کو انکار کر دے گی۔ مگر حیرت کا جھٹکا تو اسے تب لگا جب ذوباریہ نے بہت خوش دلی سے اسے ساتھ بیٹھنے کی اجازت دے دی۔

"تھینکس۔۔۔" اس نے عین شہر گل کے سامنے والی سیٹ سنبھالی تو وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

اس وقت لاؤنج میں صرف وہی تینوں بیٹھے تھے۔ مگر شہر گل کو آذر ملک کا یوں آ بیٹھنا بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

"بھئی ذوبی۔۔۔ دوست تو تم نے چن کر بنائی ہے۔ جو صرف تمہیں ہی سنتی ہوں گی۔" وہ شرارت سے کہنے لگا۔ ذوباریہ نے فی الفور اپنی دوست کی حمایت کی۔

"جی نہیں شہر گل نہ صرف بولتی ہے بلکہ بہت اچھا بولتی ہے۔"

"واقعی۔۔۔ تو پھر میرے سامنے ان کی بولتی کیوں بند ہے؟" وہ زیر لب مسکرا دیا۔ خود کو موضوع گفتگو بنا دیکھ کر وہ نروس ہونے لگی۔

سامنے بیٹھے آذر ملک کو نہ دیکھتے ہوئے بھی وہ اس کی نظروں کی تپش اپنے چہرے پر اچھی طرح محسوس کر رہی تھی۔

"ہاں۔۔۔ ایسے ہی پرستان کے شہزادے ہیں نا آپ۔۔۔" ذوباریہ بھائی کا مذاق اڑاتے ہوئے بولی۔ پھر گویا اسے متنبہ کیا۔

"مگر ادھر ذرا دھیان سے۔ شہر گل کو دیکھ کر تو

پرستان کے شہزادے بھی اپنا راستہ بھول جاتے ہیں۔"
"ہاں' اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ان کو دیکھ کر کوئی راستہ تو کیا اپنا آپ بھی بھول جائے۔"
وہ امریکی تہذیب میں پلا بڑھا ضرور تھا۔ مگر وہاں کی بگڑی ہوئی بے راہ رو نسل کی نمائندگی نہیں کرتا تھا۔ شائستگی ہمیشہ ہی سے اس کی فطرت کا حصہ رہی تھی۔ اس کے لیے یہ ایک بہت عام سا جملہ تھا۔ مگر شہر گل کی تو جیسے دنیا ہی زیروزبر ہو گئی۔ یوں لگا جیسے اس کی پیشانی کو کسی نے جلتے کوئلے سے داغ دیا ہو۔ جسم کے ہر مسام سے پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔
"اٹس انف زوباریہ۔۔۔۔"
سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ ناگواری سے کہتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو جہاں زوباریہ گھبرائی وہیں آذر ملک بھی حیران ہو کر اسے دیکھنے لگا۔
"کیا ہوا گل۔۔۔؟" زوباریہ پریشان تھی۔
"یا تو تم ان سے کہو کہ یہاں سے چلے جائیں۔ یا پھر میں چلی جاتی ہوں۔" وہ اٹل لہجے میں بولی تو زوباریہ بے چاری حق دق رہ گئی۔
"اٹس او کے۔۔۔۔ میں چلا جاتا ہوں۔" آذر ملک نے اسی وقت کھڑے ہوتے ہوئے نارمل سے انداز میں کہا اور زوباریہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی لمبے ڈگ بھرتا اندر چلا گیا۔
جذباتیت کا زور ٹوٹا تو وہ خاموش کھڑی زوباریہ کو دیکھ کر یکلخت ہی حواس میں لوٹ آئی۔
"آئم سوری زوباریہ۔۔۔۔ مگر تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں اتنی آزادی افورڈ نہیں کر سکتی۔ میں تمہاری انسلٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پتہ نہیں کیسے۔۔۔۔"
اس کی آواز رندھنے لگی۔ زوباریہ نے گہری سانس کھینچی اور پھر گویا چڑ کر بولی۔
"کبھی تو کہتی ہوں کہ انسانوں میں اٹھا بیٹھا کرو تاکہ سب کو فیس کرنے کا ڈھنگ آئے۔" وہ نڈھال سی کرسی میں دھنس گئی۔ اسے اپنی حرکت پر ازحد شرمندگی ہو رہی تھی۔
"آئم رئیلی ویری سوری زوبی! تمہیں تو پتہ ہی ہے میں نے کبھی کسی مرد سے اتنی بے تکلفی روا نہیں رکھی اور نہ ہی کبھی یوں فیس ٹو فیس بات کی ہے۔ بس اسی لیے۔۔۔۔"
"بس اسی لیے شاہی خون جوش مار گیا۔ ڈونٹ وری یار' سوری تو مجھے کرنا چاہیے۔ تمہاری روایات اور حدود کو جانتے ہوئے بھی میں نے آذر بھائی کو ساتھ بٹھا لیا۔ وہ بے چارے بھی سوچ رہے ہوں گے کہ ایسا کیا قابل اعتراض جملہ کہہ دیا انہوں نے۔" وہ خوش دلی سے کہہ رہی تھی۔ پھر اس کی خائف ہوتی شکل دیکھ کر ہنس دی۔
"کم آن گل۔۔۔۔ میں سب سمجھتی ہوں یار!"
"تھینکس۔۔۔۔" وہ ابھی بھی شرمندگی کے حصار میں تھی۔ زوباریہ کی جگہ اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو اپنے ہی گھر میں اپنے لاڈلے بھائی کی اتنی بے عزتی ہوتے دیکھ کر شاید اسے کھری کھری سناتی۔
"ایک تو یہ اویس پتہ نہیں کہاں رہ گئے ہیں؟"
پونے بارہ بج چکے تھے۔ وہ اب زوباریہ اور اس کی ممی کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔
"اٹس او کے گل بیٹا! اگر اویس نہیں آیا تو نو پرابلم' آج یہیں رہ جاؤ۔" زوباریہ کی ممی پیار سے بولیں تو وہ بدک گئی۔
"نہیں آنٹی۔۔۔۔ میں بھلا کیسے۔۔۔۔ آنٹی خفا ہوں گی۔"
"تو اس میں تمہارا کیا قصور ہے۔ غلطی تو اویس بھائی کی ہے۔ وہی نہیں پہنچے ابھی تک۔" زوباریہ نے اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔
"موبائل تو ہو گا اویس کے پاس اسے کال کر لو۔" ممی نے اس کی مشکل کو آسان کرنے کے چکر میں درحقیقت اسے اور مشکل میں پھنسا دیا۔
بھلا اس نے کب اویس شاہ کا موبائل نمبر نوٹ کرنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔
"کوئی بات نہیں آنٹی! جہاں اتنا انتظار کیا وہاں تھوڑا اور سہی۔ کم از کم اویس شاہ کو تسلی بخش ڈانٹ تو پڑوا سکوں آنٹی سے۔" وہ بمشکل مسکرائی تو زوباریہ نے

اسے سراہا۔

"اب کی ہے نا عقلمندوں والی بات۔" وہ بظاہر بڑے اطمینان کے ساتھ زوباریہ اور اس کی ممی سے باتوں میں مصروف تھی، مگر دل میں اٹھتے وسوسوں کا حال وہی جانتی تھی۔

سوا ایک بجے چوکیدار نے اویس شاہ کے آنے کی خبر دی تو وہ جیسے پھر سے جی اٹھی۔

"بہت بری ہو تم شہر گل....." اس کے اطمینان پر زوباریہ نے متاسفانہ انداز میں کہا تو وہ ہنس دی۔ وہ زوباریہ کے ساتھ باہر آئی تو اویس زوباریہ کی ممی کے پاس کھڑا دیر سے آنے پر معذرت کر رہا تھا۔

"اٹس او کے بیٹا! یہ اپنا گھر ہے شہر گل کا بلکہ میں تو اسے یہیں رکنے کا کہہ رہی تھی۔ مگر یہ تو حد سے زیادہ متفکر ہو رہی تھی۔ اوپر سے اپنی آنٹی کی ڈانٹ کا ڈر۔"

"ڈونٹ وری آنٹی! فنکشنز میں ایسی دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔ کوئی نہیں ڈانٹے گا اسے۔"

وہ شہر گل کے سنجیدہ سے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ پھر اسے گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"او کے آنٹی! اللہ حافظ....."

وہ زوباریہ سے مل کر آنٹی کی طرف بڑھی تو انہوں نے اسے لپٹا کر خصوصی طور پر پیار کیا۔

"میں کسی روز آؤں گی تمہاری آنٹی سے ملنے۔" وہ مشفقانہ انداز میں کہنے لگیں۔

"جی آنٹی ضرور....." وہ اندر سے خائف ہونے کے باوجود اخلاقیات نبھا گئی تھی۔

شہر گل نے اس کی خاموشی محسوس تو کی تھی مگر کچھ پوچھا نہیں۔ مین روڈ پر آتے ہی وہ شروع ہو گیا۔

"کچھ عقل سے بھی کام لے لیتے ہیں شہر گل صاحبہ! سب لوگ تمہاری طرح سیدھے نہیں ہوتے۔ میرے دیر سے پہنچنے پر اس قدر حواس باختہ ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ آتا تو تھا نا میں نے۔ ہر جگہ اپنی نام نہاد آنٹی کا تعارف دے کر تم اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی پھنسواؤ گی۔"

"تو آپ کو چاہیے تھا نا کہ جلدی آتے۔ اس میں میری تو کوئی غلطی نہیں ہے۔ کتنا برا لگ رہا تھا سب لوگ جا چکے تھے بس مجھے ہی کوئی لینے نہیں پہنچا تھا۔ وہ لوگ بھی سمجھ رہے ہوں گے کہ اتنی ہی فالتو ہوں میں۔ کسی کو پروا ہی نہیں۔ آپ نے بھی یاد رکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔"

پچھلے دو گھنٹوں کی کوفت اور بیزاری اسے بھی اندر ہی اندر تنگ کر رہی تھی۔ اوپر سے آذر ملک کی بے تکلفی اور نظریں اس کا جوابی شکوہ بھی بے ساختہ اور بلا ارادہ تھا۔ وہ گاڑی کی اسپیڈ کم کرتا اسے گھورنے لگا۔ پھر ترشی سے بولا۔

"میری اپنی بھی سو مصروفیات ہیں صرف ایک تمہاری ہی مصیبت نہیں ہے۔ اتنا فالتو نہیں بیٹھا رہتا کہ تمہاری پک اینڈ ڈراپ ہی کی ڈیوٹی دیتا رہوں....."

وہ روما اور دوسرے فرینڈز کے ساتھ ایک بہت اچھے ڈنر کے بعد میوزک کنسرٹ میں گیا۔ وہاں خوب انجوائے کرنے کے بعد اس نے روما کو ڈراپ کیا۔ بہت مگن اور ریلیکس انداز میں وہ فلیٹ میں داخل ہوا تو ارادہ یہی تھا کہ اب ایک اچھی سی نیند لی جائے مگر اندھیرے فلیٹ میں قدم رکھتے ہی گویا اس کے ذہن میں ایک جھما کا سا ہوا تھا۔ لاؤنج کی لائٹ آف تھی۔

جب سے شہر گل آئی تھی تب سے لاؤنج کی لائٹ باہر سے آنے پر وہی بند کرتا تھا۔ اسے یاد آیا کہ وہ ابھی تک زوباریہ ہی کے گھر پر تھی۔ تب وہ اپنی یادداشت کو کوستا واپس بھاگا تھا۔ سوا تنی ٹینشن کا نتیجہ یہی نکلا کہ اس نے شہر گل کو بڑی بے دردی سے لتاڑ دیا تھا۔

وہ جو صبح اویس شاہ کا بہت نرم اور شوخ سا انداز دیکھ کر اس پر مرمٹی تھی۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر چپ اور ساکت رہ گئی۔

گھر پہنچنے تک وہ اس کی خاموشی محسوس کر چکا تھا۔ مگر اس کا غصہ ابھی بھی کم نہیں ہوا تھا۔ اوپر سے پوری بلڈنگ کو اندھیرے میں ڈوبا دیکھ کر اسے اور غصہ آنے لگا یعنی کہ لائٹ جا چکی تھی۔

"ڈیم اٹ..... سارے "خوب صورت" اتفاقات آج ہی ہونے تھے۔"

وہ خاموشی سے گاڑی سے نیچے اتر آئی۔

"لطف کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب تیس سیڑھیاں طے کرنی پڑیں گی وہ بھی اندھیرے میں۔ ساتھ پکڑو میرا۔ کہیں گر گرا گئیں تو ایک دو ڈاکٹر کے کلینک کی بھی لگانی پڑ جائے گی۔"

وہ کہہ رہا تھا۔ شیر گل نے بے حد دھڑکتے دل کے ساتھ اپنا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ میں تھما دیا۔ تو وہ اسے ساتھ لیے اندھیرے میں سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

"اسی لیے میں تمہاری کسی سے بھی دوستی کے خلاف تھا۔ لاکھ کوشش کریں نبھانے بنائیں دوستی میں انسان بلیک میل ہو ہی جاتا ہے۔ نہ ماننے والی بات بھی ماننے میں آسان لگنے لگتی ہے..." وہ قدرے دھیمی آواز میں جانے اسے سمجھا رہا تھا یا...

مگر وہ اس پل کسی اور ہی دنیا میں تھی۔ اویس کے ہاتھ کی مضبوط گرفت اور حرارت جیسے اس کے پورے وجود میں برقی رو دوڑا رہی تھی۔ اپنی کیفیت سے گھبرا کر اس نے بے اختیار ہی اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے کھینچ لیا‘ اس وقت اویس اس کے ساتھ اگلی سیڑھی پر قدم رکھ چکا تھا۔ ایک دم سے اس کا ہاتھ چھوٹا تو وہ لڑکھڑا گئی۔ اویس نے گھبرا کر اندھیرے میں یونہی ہاتھ مارا تو اس کا بازو گرفت میں آ گیا۔

"سس..." وہ بے اختیار سسک کر نیچے بیٹھ گئی تھی۔

"بے وقوف... کیا ہوا؟" اویس کو حد سے زیادہ غصہ آیا۔ ایک تو گھپ اندھیرے میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا اوپر سے ایک اور مصیبت کھڑی ہو گئی تھی۔

"کک... کچھ نہیں۔" بھیگی ہوئی آواز میں کہتی وہ اس کے ہاتھ کے سہارے پھر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسی وقت لائٹ آ گئی تو اویس نے شکر ادا کیا۔ مگر پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تو ٹھٹک گیا۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار واضح تھے۔

"لگی تو نہیں کہیں...؟"

"پتہ نہیں‘ پاؤں مڑ گیا ہے۔ بہت زور سے۔" وہ بے چارگی سے بولی تو اویس نے چڑ کر کہا۔

"کچھ ہی سیڑھیاں رہ گئی ہیں۔ باقی کا ایڈونچر گھر پہنچ کر مکمل کر لینا۔ اب چلو۔"

وہ دو سیڑھیاں چڑھ کر ہی دیوار سے لگ کے کھڑی ہو گئی تھی۔ اویس کو دوسری سیڑھی پر جا کر اس کی کمی کا احساس ہوا تو وہ دو دو سیڑھیاں پھلانگتا پھر سے نیچے آیا۔

"موچ تو نہیں آ گئی پاؤں میں...؟" اب کی بار اس کے انداز میں قدرے تشویش تھی۔

"شاید پاؤں پر وزن نہیں ڈالا جا رہا۔"

"تو پھر اب...؟"

وہ استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا پھر گہری سانس بھرتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ لمحہ بھر کے توقف کے بعد جھجکتے ہوئے شیر گل نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ دوسرا ہاتھ اویس نے اس کے شانوں کے گرد حائل کر کے اسے پورا سہارا دیا تو وہ پوری جان سے کانپ کر رہ گئی۔

اویس شاہ کے لیے اس لمحاتی اور جبری قرب کا چاہے کچھ بھی مطلب نہ ہو مگر اس پل شیر گل کو اس سے بڑی سچائی اور کچھ لگ ہی نہیں رہی تھی۔ اسے پاؤں کا درد بھی یاد نہیں رہا تھا۔ دروازے کا لاک کھول کر وہ یونہی اسے سہارا دیے اندر کمرے تک لایا تھا۔ لائٹ آن کر کے پلٹا تو وہ بستر پر ڈھے سی گئی تھی۔

"بہت زیادہ درد ہو رہا ہے؟" وہ اس کے پیلے پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"ہاں... بہت۔"

وہ متضاد کیفیات میں گھری اپنے دل کی عجیب سی حالت اور دھڑکنوں کی بے ترتیبی سے خائف ہو رہی تھی۔

وہ رونا نہیں چاہ رہی تھی۔

دل کو کن اوہام نے گھیرا تھا کہ آنسو پلکوں پر چھلک آئے۔

"اچھا اب رو تو مت۔ میں کوئی پین کلر دیکھتا ہوں اور ساتھ میں کوئی کریم بھی مساج کے لیے۔"

اس کی تکلیف کے احساس سے اویس شاہ کا لب و لہجہ نرمی لیے ہوئے تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لوٹا تو اس کے ہاتھوں میں ٹیبلٹ اور ایک ٹیوب کے ساتھ ساتھ دودھ کا گلاس بھی تھا۔

"یہ لو اس ٹیبلٹ سے درد کم ہو جائے گا اور اس کریم سے ہلکی سی مالش کرو۔ موچ نہ بھی ٹھیک ہو مگر درد ضرور کم ہو جائے گا۔"

وہ کسی ذمہ دار ڈاکٹر کی طرح کہہ رہا تھا۔ مگر گولی نگلنے اور ٹیوب کا مساج کرنے کے بعد بھی اس کے آنسو بہتے ہی رہے۔

وہ کمرے سے جا چکا تھا مگر اس کی خوشبو اور لمس جیسے ابھی تک شہر گل کے آس پاس سرسرا رہا تھا۔

"یا اللہ ... میں تجھ سے اور کچھ نہیں مانگتی ... صرف یہ شخص۔" اس نے بہت شدت سے دعا کی تھی اور پھر سوتے میں بھی وہ خدا سے اسی کو مانگتی رہی۔

☼ ☼ ☼

صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس نے واضح طور پر اپنی طبیعت کے بوجھل پن کو محسوس کیا تھا۔ دل نہ چاہتے ہوئے بھی وہ بستر چھوڑ کر اٹھ گئی۔ اتوار کی چھٹی کی وجہ سے اویس گھر پر ہی تھا اور پہلے کا تو شہر گل کو پتہ نہیں تھا مگر جب سے ان دونوں کے درمیان قدرے دوستانہ روابط ہوئے تھے، وہ چھٹی والے روز گیارہ بجے تک بستر سے اٹھتا اور پھر اچھا سا ناشتا کرتا تھا۔ پاؤں میں آئی موچ کے درد کو محسوس کرتے ہوئے اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی تو ساڑھے دس بج چکے تھے۔ چکراتے سر کو سنبھالتی وہ واش روم میں گھس گئی۔

چائے بنا کر وہ فریج میں سے انڈے نکالنے لگی۔ ارادہ یہی تھا کہ آج ناشتے میں اویس کے لیے اٹالین آملیٹ بنائے گی مگر فریج بند کر کے پلٹتے ہی اس کا سر اس قدر زور سے چکرایا کہ لمحہ بھر کو اسے اپنی بھی خبر نہیں رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں سے انڈوں والا شاپر گر گیا۔ تب ہی ناشتے کی طلب میں کچن میں داخل ہوتے اویس نے بڑی پھرتی سے اسے سنبھالا تھا۔ اس کی سپید پڑتی رنگت اور ہونٹ اویس کو بھی پریشان کر گئے تھے۔

"اوہ گاڈ ..." تیزی سے لا کر اسے صوفے پر ڈالا اور اس کی ہتھیلیاں سہلانے لگا۔

"شہر گل ... کیا ہوا ہے۔ آنکھیں کھولو۔" اس کے بند پپوٹوں میں جنبش ہوتی دیکھ کر وہ اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے بولا تو وہ آنکھیں کھول کر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ٹمپریچر ہو رہا ہے تمہیں۔ کس نے کہا تھا کچن میں جا کر کارکردگی دکھانے کو۔" وہ اس کی حالت کا احساس کرتے ہوئے قدرے نرمی سے ڈانٹ رہا تھا۔

"وہ ... میں ناشتا بنا رہی تھی۔" اسے اچانک یاد آیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کچن سے لاؤنج تک کا سفر کیسے طے کر لیا۔ اس کا ہاتھ بے اختیار اپنے گلے کی طرف گیا۔ تب اویس کو بھی احساس ہوا کہ اس کا دوپٹہ شاید کچن ہی میں رہ گیا تھا اور یہ بھی کہ ابھی تک وہ صوفے پر دراز شہر گل کے بالکل ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

جب تک پریشانی رہی تب تک تو وہ اس بلا ارادہ قرب سے انجان ہی رہا تھا مگر اب جیسے تمام حواس نے یکلخت دھاوا بول دیا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب تم خاموشی سے یہیں لیٹی رہو۔ کوئی ضرورت نہیں کچھ بھی کرنے کی۔" معنی خیز سی خاموشی کو توڑتے ہوئے وہ اسے تنبیہہ کرتا کچن میں چلا گیا۔ پہلی نظر سامنے فرش پر گرے اس کے دوپٹے پر پڑی تو اس نے جھک کر دوپٹہ اٹھایا اور ... سامنے کیبنٹ ٹاپ پر رکھنے ہی لگا تھا۔ تب جانے کیا ہوا۔ ہلکی سی بھینی بھینی خوشبو اس کی ناک سے ٹکرائی تو بے اختیار ہی اس نے دوپٹے کو ناک کے قریب لا کر سونگھا۔

"یہ خوشبو ..." اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ رات یہی خوشبو اسے اپنی شرٹ سے آتی محسوس ہو رہی تھی تب اسے ایک دم ہی یاد آیا کہ رات جب وہ اسے سہارا دے کر اوپر لا رہا تھا تو وہ اس کے کتنے قریب تھی اور ابھی ... جب وہ اسے بازوؤں میں اٹھا کر باہر

لے گیا تھا تو۔

اسے ایک جھٹکا سا لگا۔ سوچ کی لگامیں ڈھیلی پڑیں تو ذہن بھٹکنے لگا۔ اس نے ووڈیٹ کیبنٹ ٹاپ پر پھینکا اور سر جھٹکتے ہوئے فریج میں سے دودھ کا جگ نکالنے لگا۔

اس کے لیے اوولٹین ملا دودھ کا گلاس لے کر وہ لاؤنج میں پہنچا تو وہ آنکھوں پر بازو دھرے دوسرا ہاتھ سینے پر رکھے ہوئے تھی۔ یہ پہلا موقع تھا جب وہ اسے بنا دوپٹے کے اس قدر آزادانہ دیکھ رہا تھا۔ شنگرفی ہونٹوں سے پھسلتی نگاہ بے اختیار ہی اس کے تراشے ہوئے دلنواز سراپے میں الجھی تو جانے یہ اس کی نگاہوں کی تپش کا اثر تھا یا کچھ اور کہ وہ گڑبڑا کر آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر دیکھنے لگی' پھر اویس کو سامنے کھڑا دیکھ کر بے ساختہ اٹھ بیٹھی۔

وہ خود بھی خفیف سا ہو گیا تھا یونہی ہاتھ آگے بڑھا کر گلاس اسے تھما دیا۔

"یہ دودھ پی لو اور ابھی میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلنا۔ یہ نہ ہو کہ بخار مزید تیز ہو جائے اور پھر اس موچ کا بھی تو کچھ علاج کرانا ہو گا۔" وہ کہتے ہوئے کچن کی طرف واپس پلٹ گیا۔

انڈوں والا شاپر اٹھا کر دیکھا تو تینوں انڈے ٹوٹ چکے تھے۔ ڈسٹ بن میں شاپر پھینکتے ہوئے اس نے فی الوقت چائے ہی کو غنیمت سمجھا۔ اس مرتبہ لاؤنج میں رکے بغیر اپنے بیڈ روم میں آ گیا تھا۔ اگلے چند منٹوں میں وہ موبائل پر روما کے ساتھ مگن تھا۔

"آج آ رہے ہو نا الحمرا میں' بہت زبردست نمائش لگی ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا۔ ممی کی دوست کی بیٹی کی پینٹنگز کی نمائش ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ اویس اثبات میں جواب دیتے دیتے رہ گیا۔ یکلخت ہی لاؤنج میں لیٹی شہر گل کی طرف دھیان جا اٹکا۔

"کتنے بجے تک جانا ہے؟" وہ پوچھنے لگا۔

"ہم بھی بس آدھے پونے گھنٹے تک....." وہ بتا کر شکی انداز میں پوچھنے لگی۔ "مگر تمہیں اس سے کیا۔ چھٹی کا دن تو بالکل فارغ ہوتا ہے تمہارا؟"

"یہ کیا بات ہوئی۔ سو کام ہو سکتے ہیں آدمی کو' میری ایک بہت امپورٹنٹ میٹنگ ہے۔" وہ اب اس قدر بد اخلاق اور احساسات سے عاری نہیں تھا کہ بیمار پڑی شہر گل کو تنہا چھوڑ کر تفریح کرنے نکل کھڑا ہوتا۔

"جھوٹ مت بولو اویس! ابھی رات تک تو تم بالکل فارغ تھے۔ تب تو تم نے کسی میٹنگ کا ذکر نہیں کیا تھا۔"

وہ ایسی ہی تھی۔ اویس شاہ کے معاملے میں انتہائی پوزیسیو' بال کی کھال اتارنے والی۔

"یاد نہیں رہا ہو گا اور ویسے بھی تم سامنے ہو تو ہزار کام بھول جاتا ہوں اپنے۔ ابھی فون پر ہو اس لیے اتنی آسانی سے انکار کر رہا ہوں۔ سامنے ہوتیں تو تمہارے اشاروں پہ چلتا۔" وہ مدھم لب و لہجے میں بولا تو روما کی ہنسی سماعتوں میں جلترنگ سا بجا گئی۔

بہت تفاخر تھا اس کی ہنسی میں اور چاہے جانے کا نشہ۔

ان دونوں کے مابین کبھی اقرار محبت کے الفاظ چاہے نہ دہرائے گئے ہوں مگر وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ ایک دوسرے سے کمیٹڈ ہیں اور یہ کہ انہیں ایک ہونا ہے۔

"بائی داوے..... کس کے ساتھ ہے یہ میٹنگ؟"

وہ مصالحت آمیز انداز میں بولی۔ تو اس نے روانی سے کہا۔

"تم سے خاص تو ہرگز نہیں ہے۔"

"او کے..... پھر بھی کوشش کرنا جلدی فارغ ہونے کی۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔" وہ کہہ رہی تھی۔ اویس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ خود وہ بھی تو یونہی اس سے ملنے کو بے چین رہتا تھا۔

فون بند کرنے کے بعد وہ تھوڑی دیر تک یونہی روما کو سوچ کر مسکراتا رہا تھا۔ پھر اٹھ کر چائے کا کپ رکھنے کے لیے کمرے سے نکلا تو وہ لاؤنج میں نہیں تھی۔ وہ کچن میں بھی نہیں تھی۔ وہ کپ سنک میں رکھ کر اس کے کمرے کی طرف آیا۔ دروازے پر دستک دی اور لمحہ بھر کے توقف کے بعد دروازہ کھول کر جھانکا تو وہ کمبل اوڑھے بستر پر نیم دراز تھی۔

"جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ابھی ہم ڈاکٹر کے پاس جائیں گے۔" دروازے میں کھڑے کھڑے تحکمانہ انداز میں کہا تو وہ ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولی۔

"اتنی زیادہ تو طبیعت خراب نہیں...."

"تم اپنی ڈاکٹری مت جھاڑو اور اب فوراً" اٹھ جاؤ۔" اب کی بار اس نے قدرے ناگواری سے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

"پانچ منٹ میں باہر آؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" وہ کہتا ہوا پلٹ گیا۔

نا چاہتے ہوئے بھی وہ کپڑے تبدیل کر کے اسکارف اوڑھے شانوں پر دوپٹہ برابر کرتی باہر آئی تو وہ صوفے میں دھنسا "چینل سرچنگ" میں مصروف تھا۔ اس کی آمد کو محسوس کر کے اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی تو اگلے کئی ثانیوں تک نظر نے پلٹ کر آنے کا نام نہیں لیا تھا۔ سرخ و سیاہ پرنٹ کے لباس' سیاہ جرسی اور لباس سے میچنگ اسکارف میں ملبوس وہ جیسے اپنے تمام تر حسن سمیت اویس شاہ کے حواس پر چھانے لگی تھی۔

اپنی زندگی میں اس نے بہت سے حسین اور ایک سے ایک طرحدار چہرے دیکھے تھے۔ خود روما بہت دلکش حسن کی مالک تھی۔ مگر جس قدر کشش اور سحر اس نے شہر گل میں محسوس کیا تھا' وہ اس سے پہلے کبھی بھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس قدر چھا جانے والا جادو تھا اس کے حسن میں۔ خاموش مگر دھیما دھیما اور اثر پذیر۔

"چلیں...." اس کی نظروں کے جمود نے اسے گڑبڑایا تو اویس جیسے کسی دور دراز وادی سے لوٹ آیا۔ بمشکل خود کو سنبھالتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

گزری رات اور آج صبح سے لے کر اب تک محسوس ہونے والی کیفیت خود اویس کے لیے بہت ناقابل قبول تھی۔ وہ تہیہ کر چکا تھا کہ اب شہر گل کا واپس جانا ناگزیر ہو چکا ہے۔

لفٹ کے ذریعے وہ گراؤنڈ فلور پر آئے تھے۔ اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے وہ لب بھینچے ہوئے تھی۔ "یقیناً" سردی کی وجہ سے پاؤں کا درد عروج پر پہنچ گیا تھا۔ اویس نے خود کو پوچھنے سے باز رکھا۔ درحقیقت وہ اس کی "اثر پذیری" سے خائف ہو گیا تھا۔ انسان ہی تھا کوئی فرشتہ یا افسانوی کردار نہیں کہ دل و نظر پر پہرے بٹھانے میں ہر وقت ہی کامیاب رہتا۔ سو اب اس سے انجان بنے رہنے میں ہی اسے عافیت محسوس ہوئی تھی۔

"ٹائم پر یہ میڈیسن لیتی رہیں ان شاء اللہ بخار اتر جائے گا اور ذرا چلنے پھرنے سے احتراز برتیں۔ موچ بھی ٹھیک ہو جائے گی۔ ویسے میں نے پاؤں کے مساج کے لیے ٹیوب لکھ دی ہے...." ڈاکٹر پروفیشنل لب و لہجے میں ہدایات دے رہا تھا۔

راستے میں اس نے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی روک دی تھی۔

"تمہاری طبیعت کے چکر میں صبح سے ناشتا بھی نہیں کیا میں نے۔"

"مگر میں تو ہوٹل کا کھانا نہیں کھا سکتی...." وہ متذبذب ہوئی تھی۔

"نیچے اترو' سوپ تو پی ہی سکتی ہو۔ ویسے بھی ڈاکٹر نے ہلکی پھلکی غذا کھانے کو کہا ہے۔" اس کی پس و پیش سے قطع نظر وہ اٹل انداز میں بولا تو مجبوراً" شہر گل کو بھی نیچے اترنا پڑا۔

وہ سن گلاسز اتار کر جیکٹ کی جیب میں اٹکا رہا تھا' جب اس کا موبائل بجنے لگا۔ اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کر کے اس کے ساتھ چلتے ہوئے وہ کال ریسیو کرنے لگا جو کہ روما کی تھی۔

"کہاں ہو تم....؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"بس ابھی ابھی فارغ ہوا ہوں اور اس وقت ایک لنچ کا پروگرام ہے۔ صبح سے بھوکا ہوں میں۔" اس کے اعصاب واضح طور پر تن سے گئے تھے۔

اور ایسا ہر اس موقع پر ہوتا تھا جب وہ شہر گل کی بابت روما سے جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا تھا۔

وہ ریسٹورنٹ کے گلاس ڈور کے سامنے جا کر رکی تو اویس نے الٹا ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولا۔ وہ اندر داخل

ہوئی اویس اس کے پیچھے تھا۔
"پھر کبھی کا پروگرام رکھ لو روما! ابھی ایک دوست ہے میرے ساتھ۔" شہر گل نے سنا وہ دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔
"کم آن روما..... بس تھوڑی سی مصروفیت ہے۔ کل ملیں گے کیمپس میں۔" اس نے الوداعی کلمات کے ساتھ موبائل آف کر دیا۔
وہ اس کے سامنے والی نشست سنبھال رہا تھا۔ شہر گل کو وہ پہلے کی نسبت سنجیدہ اور الجھا ہوا سا لگا۔
اور وہ جانتی تھی کہ ایسا روما کے فون کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے اویس کو روما سے جھوٹ بولنا پڑا تھا۔
"سنیں..... یہاں پر دلیہ یا کھچڑی نہیں ملتی بیماروں کے لیے.....؟" اس نے بڑی سے معصومیت سے پوچھتے ہوئے اویس شاہ کی خاموشی کو توڑنے کی ایک دانستہ کوشش کی تھی اور اس میں کامیاب ابھی رہی۔ مینیو کارڈ دکھاتا وہ دھیرے سے ہنس دیا۔
"پہلے تو یہ دو ڈشز مینیو میں شامل نہیں تھیں، مگر اب لگتا ہے کہ ہوٹل والوں کو بیماروں کے لیے الگ سے پیکج رکھنا پڑے گا۔"
"مگر مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے۔" اس نے کچھ منہ بسور کر کہا تو وہ دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔ شاید اس کی بے تکلفی اسے حیران کر رہی تھی۔
"تمہارے لیے سوپ..... آں۔ اچھا یوں کرو کہ فرائیڈ رائس لے لو اور پھر سوپ۔" اس نے حل پیش کیا تو وہ کھل کے مسکرا دی۔
اویس ٹھٹک سا گیا۔ اس کی مسکراہٹ پر نہیں، بلکہ اس کے پہلے سے زیادہ پر اعتماد انداز کو دیکھ کر۔
اب کی بار اویس کے دیکھنے پر اس نے فوراً نگاہ نہیں موڑی تھی، بلکہ وہ دلکش سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر ویٹر کو بلانے لگا۔
لنچ کے دوران بھی وہ خاموش نہیں رہی تھی اور اس کے طرز عمل پر الجھنے کے باوجود اویس اس کے بے ضرر سے سوالوں کے جواب دیتا جا رہا تھا۔
"اس بار ویک اینڈ پہ آپ مجھے چچی جان سے ملانے لے جائیے گا۔ حنی کا بھی فون آیا تھا۔ وہ بھی آ رہی ہے۔"
"میں تو شاید نہ جا پاؤں۔ بابا سے کہوں گا یا پھر غلام رسول آجائے گا گاڑی لے کر۔"
"آپ بھی چلیں نا۔ کتنے دنوں سے گھر نہیں گئے۔" وہ مصر ہوئی تو اسے سختی سے کہنا پڑا۔
"خاموشی سے اپنا سوپ ختم کرو۔"
اس کی ڈانٹ سن کر نا صرف وہ چپ ہو گئی، بلکہ سوپ کا پیالہ بھی پیچھے ہٹا دیا۔ وہ کھانے سے ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگا۔
"کیا ہوا.....؟"
"آپ ناراض ہو گئے ہیں؟" وہ جیسے سہمی ہوئی تھی۔
"میری ناراضی کا اتنا ہی خیال ہے تو فضول باتیں کیوں کرتی ہو۔" اسے ہنسی آ گئی۔
اسے اپنے مخصوص نرم اور شگفتہ انداز میں لوٹتے دیکھ کر وہ بڑے جذب سے بولی۔
"بس آپ یونہی خوش رہا کریں۔ میرے لیے سب سے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ آپ کسی پریشانی میں مبتلا ہوں۔"
وہ جیسے کرنٹ کھا کر اسے دیکھنے لگا جس کی آنکھوں میں جذبوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔
اور وہ ان جذبوں سے انجان ہرگز نہیں تھا۔ وہ بھی تو اسی راستے کا مسافر تھا کیوں نہ اس کا انداز نظر پہچانتا۔
"میں کسی بھی تکلیف یا پریشانی میں نہیں ہوں۔ تم اپنا کھانا ختم کرو۔" وہ ایک دم سے اپنے خول میں سمٹ گیا۔
"تو پھر آپ اتنا کم کیوں مسکراتے ہیں؟" وہ تھوڑی تلے ہتھیلی جمائے میز کی سطح پر کہنی ٹکاتے ہوئے سادگی سے بولی تو اویس شاہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔ چڑ کر بولا۔
"اب بیٹھے بٹھائے مجھ پر ریسرچ کیوں شروع کر دی

ہے تم نے۔ اطمینان سے کھانا تو کھانے دو۔" اس کے انداز پر شہرگل بے ساختہ کھل کے ہنس دی۔

وہ مسکرائی تھی۔ ہنستی بھی تھی۔ مگر اتنے عرصے میں اویس نے پہلی بار اسے یوں کھلکھلا کے ہنستے دیکھا۔

اسے لگا جیسے آس پاس کتنی ہی کلیاں چٹک گئی ہوں۔

وہ بے اختیار ہی اسے دیکھے گیا اور ہر بار کی طرح اس نے خود سے اعتراف کیا کہ ایسا حسن اس نے بہت کم دیکھا تھا' جیسا شہرگل کی سادگی اور معصومیت سے جھلکتا تھا۔

اسی وقت کوئی ان کی میز کے پاس آکھڑا ہوا۔

"بہت خوب اویس شاہ! بہت اچھی مصروفیت ڈھونڈی ہے تم نے آج کے دن کے لیے۔" طنز و تحقیر سے بھرپور کاٹ دار آواز پر اویس نے ایک جھٹکے سے مڑ کر دیکھا۔ تو روما کو بد گمانی کا لبادہ اوڑھے کھڑا دیکھ کر وہ ساکت رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

روما کو یوں غیر متوقع طور پر ریسٹورنٹ میں سامنے پا کر وہ گھبرا گیا۔ اور سے اس کا انداز۔ مگر یہ چند لمحوں کی بات تھی۔ وہ فوراً خود کو سنبھالتے ہوئے مسکراتے ہوئے اٹھا۔

"او نارودی! بیٹھو۔"

"تو یہ تھی تمہاری "دوست" کے ساتھ میٹنگ۔ جس کے عذر پر تم مجھ سے نہیں ملے۔ مجھے ٹال دیا تھا تم نے؟"

وہ ایک تیز نگاہ خاموش اور خائف بیٹھی شہرگل پر ڈالتے ہوئے طنزاً بولی۔

"پلیز روما! کم از کم جگہ ہی کا خیال کر لو۔ لوگ متوجہ ہو رہے ہیں۔"

اویس نے دبے لہجے میں خفگی سمو کر اسے احساس دلانا چاہا تو وہ مزید کچھ کہے بنا یونہی غصے میں سر جھٹکتی واپس پلٹ گئی۔ اس کے ساتھ اس کی دوست بھی تھیں' جو یہ سارا تماشا دیکھ رہی تھیں۔ روما کو باہر کی طرف جاتے دیکھ کر وہ اس کے پیچھے لپکیں۔ جب کہ اویس کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔

شہرگل کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے رکھا تھا۔ یہ کیا ہو گیا تھا۔

ویٹر کو بلا کر اویس نے بل لانے کو کہا۔ وہ بھی اس کی تقلید میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی ساری خوش مزاجی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ یہ بات تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ یہاں اچانک اس صورت حال کا بھی سامنا ہو سکتا ہے۔

وہ اس کے ساتھ خاموشی سے گاڑی میں آبیٹھی۔ وہ بے پناہ سنجیدہ اور الجھا ہوا لگ رہا تھا۔ خاموشی سے پارکنگ لاٹ سے گاڑی سڑک پر لے آیا۔

"آئی ایم سوری' میری وجہ سے سب غلط ہو گیا۔" وہ صد درجہ شرمسار تھی۔

"خاموشی سے بیٹھی رہو۔ اس وقت میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔" اویس نے اسے بری طرح جھڑک دیا تھا۔ وہ چپ ہو رہی۔

درحقیقت اس وقت وہ بری طرح پھنسا تھا۔ اگر کچھ دیر پہلے وہ روما سے فون پر جھوٹ نہ بول چکا ہوتا تو پھر وہ چاہے اسے شہرگل کے ساتھ ہوٹلنگ کرتے دیکھ لیتی کچھ فرق نہ پڑتا۔ مگر دوست کے ساتھ ہونے کا کہہ کر یوں شہرگل کے ساتھ ہنستے مسکراتے لنچ کرتے پائے جانا' یقیناً" بہت بڑی غلط فہمی کا باعث بن سکتا تھا۔ اور اب وہ اسی سارے معاملے پر غور کر رہا تھا۔ لیکن اس کی غیر معمولی سنجیدگی اور پریشانی شہرگل کے دل کو اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز روما یونیورسٹی نہیں آئی تھی۔

رات سے وہ اس کے موبائل پر ٹرائی کر رہا تھا مگر اس نے اویس کی ایک بھی کال ریسیو نہیں کی تھی۔

وہ ایسی ہی تھی۔ خود سے منسلک چیزوں سے متعلق ٹچی اور پوزیسو' اس وقت بھی اویس نے مجبوراً" اسے

مختصر سا ایس ایم ایس کیا تھا۔ جس میں اس نے روما سے فوراً" ملنے کو کہا تھا۔

"کہاں پھر رہے ہو یار! پوری یونیورسٹی ڈھونڈ کے آیا ہوں میں۔" عامر اسے دیکھتے ہی خفگی سے کہتا ہوا اس کی طرف بڑھا تو اس نے موبائل آف کرتے ہوئے اس کی شکل دیکھی۔

"خیریت۔۔۔؟"

"میں تو خیریت سے ہوں۔ تم بتاؤ شکل پہ بارہ کیوں بج رہے ہیں۔" اویس نے بے اختیار چہرے پر ہاتھ پھیر کر جیسے اپنے تاثرات کو مٹانے کی سعی کی۔

"مجھے کیا پریشانی ہو سکتی ہے؟"

"لیکن مجھے پریشانی ہے۔" عامر نے کہا تو وہ حیرانی سے پوچھنے لگا۔

"تمہیں کس بات کی پریشانی ہے؟"

"یہی کہ جو بات میں تم سے کرنے آیا ہوں اسے سن کر جانے تم کیسے ری ایکٹ کرو؟"

اویس کو اس کا انداز کترایا ہوا لگا تھا۔

"پرابلم کیا ہے عامر! صاف لفظوں میں کہو؟" وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔

"یار! وہ تمہاری ایک۔۔۔ پھپھو بھی تو آئی ہوئی تھیں وہ کہاں رہتی ہیں؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟" اویس کے اعصاب الرٹ ہوئے۔

"گل نے بتایا تھا۔ شالیمار اپارٹمنٹس میں تمہاری کوئی آنٹی وغیرہ رہتی ہیں۔"

عامر نے جھجکتے ہوئے پوچھا تو اس کی پیشانی پر شکنیں پھیلنے لگیں۔ اب گل سب کو کیا کہانیاں سناتی پھر رہی تھی اسے قطعی اندازہ نہیں تھا۔ اس لیے اس موضوع کو نظر انداز کرنا ہی اسے بہتر لگا۔

"تم جو کہنا چاہتے ہو مجھ سے کہو۔"

"یار! وہ زوباریہ بہت تنگ کر رہی تھی۔ ایکچوئلی وہ ان دنوں اپنے بھائی کے لیے کوئی لڑکی ڈھونڈ رہی ہے۔" وہ کہتے کہتے رکا۔

"تو۔۔۔؟" اویس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"آئم سوری یار! مجھے یوں اچھا تو نہیں لگ رہا بات کرنا۔ مگر اور کوئی طریقہ بھی دکھائی نہیں دیا اور نہ ہی تمہارے بڑوں میں سے کوئی اس شہر میں ہے کہ ان سے ہی بات کر لی جائے۔ ایکچوئلی زوباریہ اور اس کی مما کو تمہاری کزن۔۔۔ اس لحاظ سے بہت پسند آئی ہیں۔ اور وہ ان کے گھر والوں سے مل کر آذر ملک کا پروپوزل دینا چاہتے ہیں۔"

عامر جھجکتے ہوئے مدعا بیان کر رہا تھا۔

اور اویس۔۔۔ وہ عامر کی پوری بات سن اور سمجھ لینے کے باوجود جیسے ناسمجھی کی سی کیفیت میں کھڑا تھا۔

"آئم سوری یار! اگر تم نے مائنڈ کیا ہے تو۔۔۔" وہ چونک کر حواس کی دنیا میں لوٹا تھا۔

"ہوں۔۔۔"

"آر یو آل رائٹ؟" اس کی آنکھوں میں اترتی سرخی عامر کو متفکر کر گئی۔

"آئم فیلنگ ناٹ ویل۔ میں تم سے پھر بات کروں گا۔" وہ خود اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

کوئی اس کی منکوحہ کے لیے شادی کا پروپوزل دے رہا تھا۔ اصولاً" تو اسے خوش ہونا چاہیے تھا کہ روما کو پانے کی راہ قدرت خود ہی ہموار کر رہی تھی۔

درحقیقت اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اسے کس ردِعمل کا اظہار کرنا چاہیے اسی لیے وہ فوری طور پر عامر کے سامنے سے ہٹنا چاہ رہا تھا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ تم گھر جاؤ۔ آرام کرو۔ پھر بات کریں گے۔"

عامر نے نرمی سے اس کا شانہ تھپکا تو وہ تیز قدموں سے واپس پلٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

اویس شاہ کا موڈ اس قدر سنجیدہ اور گریزاں سا تھا کہ شہر گل دو روز سے اس سے مخاطب ہونے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔ کھانا بھی وہ باہر ہی سے کھا کے آ رہا

تھا۔

ابھی بھی وہ بہت ہمت کر کے اویس کو کھانے پر بلانے کے لیے آئی تو اس کا ہاتھ دروازے کی ناب پر ہی تھم گیا۔ دروازہ پہلے ہی سے کھلا تھا۔ اور نیم وا دروازے سے آتی اویس شاہ کی آواز وہ بہت اچھی طرح سن سکتی تھی۔ اپنے موبائل پر وہ یقیناً" روما ہی سے محو گفتگو تھا۔

"اعتبار محبت کی پہلی سیڑھی ہوتا ہے۔ تم تو پہلے قدم پر ہی ہار رہی ہو۔" اس کے انداز میں شکوہ تھا۔

"میرا نہیں خیال رومی کہ تمہارے اور میرے مابین موجود رشتہ صفائیاں پیش کرنے کا متقاضی ہے۔ اعتبار زبان سے نہیں دل و ذہن سے کیا جاتا ہے۔ تم بھی اپنے دل و دماغ سے رابطہ کرو۔"

ناراضی سے کہتا وہ اب روما کا جواب سن رہا تھا۔

"کیا میں تمہیں ایسا شخص لگتا ہوں جو ادھر ادھر افیئر چلاتا پھرے گا۔ میں نے تمہیں اپنا نصیب بنا کر چنا ہے رومی! اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں قول نبھانے والوں میں سے ہوں۔" وہ بے حد سلگتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

شہر گل کو لگا اس کا دل شعلوں میں گھرنے لگا ہو۔

اویس کے لب و لہجے کی حدت اس کا تن من جلانے لگی تھی۔

"وہ ایک اتفاق تھا اور بس۔ انسان بہت سے معاملات میں دوسروں کے سامنے مجبور ہو جاتا ہے اور اسے بہت کچھ نہ چاہتے ہوئے بھی کرنا پڑتا ہے۔ یقین کرو روما! مگر اب حالات اور ہوں گے۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ اور پھر میں تو ہوں ہی تمہارا۔" اس کا لہجہ جذبات سے بوجھل تھا۔

اور شہر گل کو لگا یہی یوم آخر ہو۔ وہ بند ہوتی سانسوں کے ساتھ بمشکل قدموں کو گھسیٹتی اپنے کمرے تک آئی تھی۔ ضبط کا یارا نہیں رہا تو بستر پر گر کر رونے لگی۔

وہ شروع ہی سے روما اور اویس شاہ کے رشتے کو جانتی تھی مگر تب خود اس کے دل میں اویس شاہ کے لیے کوئی خاص جذبات نہیں تھے۔ لیکن اب جب کہ وہ اسے دل میں بسا کر اپنا سب کچھ مان چکی تھی، روما کے لیے اس کا اتنا احساس ہونا بے حد تکلیف دہ تھا۔

اب کیا ہوگا کا نیون سائن اس کے ذہن میں جگمگا رہا تھا۔

اگر وہ روما سے اپنی کمٹمنٹ نبھائے گا تو اس کا کیا بنے گا؟ دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے سنبھلنے پر مجبور کر دیا۔ دوپٹے سے چہرہ صاف کرتی وہ اٹھ بیٹھی۔

"شہر گل! تم جاگ رہی ہو کیا؟" وہ دروازہ وا کیے اندھیرے کمرے میں دیکھنے کی سعی کر رہا تھا۔

"جی۔" وہ بمشکل بول پائی تھی۔

"تو پھر جلدی سے آؤ اور کھانا لگاؤ۔ سخت بھوک لگی ہے مجھے۔ ہری اپ۔"

وہ بہت فریش موڈ میں تھا۔ دوستانہ انداز میں کہتا ہوا پلٹ گیا۔

وہ اپنے کمرے سے نکل کر سیدھی کچن میں آئی تھی۔ اویس لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے براجمان تھا۔ اس کے لیے کھانا نکالا اور ٹرے میں لیے وہ لاؤنج میں آگئی تھی۔

"تم نہیں کھاؤ گی؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"میں کھا چکی ہوں۔" شہر گل نے اس سے نگاہ ملائے بغیر جواب دیا۔ لہجے میں آنسوؤں کی نمی ابھی بھی باقی تھی۔

اویس نے گہری نظروں سے اسے دیکھا جو بے حد کترائی ہوئی لگ رہی تھی۔

"میں پانی لاتی ہوں۔ آپ کھانا شروع کریں۔" وہ واپس پلٹ گئی۔

چند لمحے اس کے پر غور کرنے کے بعد سر جھٹکتا وہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

پانی کی بوتل اور گلاس اس کے سامنے رکھنے کے بعد وہ واپسی کے لیے پلٹی تو اویس نے اسے روک لیا۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"سونے جا رہی ہوں۔ نیند آ رہی ہے۔"

"بیٹھو..... مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے۔" اس

نے مسکراتے ہوئے کہا۔

شہر گل کو اس کی مسکراہٹ، اس کا ہنسنا بہت اچھا لگتا تھا۔ مگر اس وقت اس کی مسکراہٹ نے اسے خدشے میں مبتلا کر دیا تھا۔

"صحیح بات نہیں کر سکتے ہم....."

اس کے گریز نے اویس کو چونکا دیا تھا۔ اتنی بحث اس نے کبھی نہیں کی تھی۔ اور اویس کی بات پر تو کبھی بھی نہیں۔ پھر آج اسے کیا ہوا تھا۔

"نہیں۔ ہم ابھی بات کریں گے....."

اس نے کھانے سے ہاتھ کھینچتے ہوئے سنجیدگی سے کہا اور گلاس میں پانی انڈیلنے لگا۔ وہ بے بس سی ہو کر صوفے پر ٹک گئی۔

گھونٹ گھونٹ پانی اندر اتارتا وہ شاید الفاظ اکٹھے کرنے کی کوشش میں تھا۔

پھر گہری سانس بھر کر شہر گل کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ نظریں جھکائے گود میں دھرے ہاتھوں کو گھورنے میں مصروف تھی۔

"تمہاری فرینڈ کا نام ہے....." اس قدر غیر متعلق سوال وہ حیران ہی اسے دیکھتی گئی۔ تو ان آنکھوں کی سرخی اویس سے چھپی نہیں رہ سکی.....

"ذوباریہ کو پوچھ رہے ہیں؟" اس کے انداز میں بھی حیرت تھی۔ اویس نے محض اثبات میں سر ہلایا۔

"اس کی فیملی سے ملی ہو.....؟"

"جی....."

وہ اس پوچھ گچھ کا مطلب سمجھ نہیں پائی تھی۔ سو ہر بات بھول کر استعجاب میں گھرنے لگی۔

"کیسے لوگ ہیں وہ.....؟"

"اچھے ہیں، مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" وہ اب پریشان ہونے لگی تھی۔

"اور ذوباریہ کا بھائی..... وہ کیسا شخص ہے؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ شہر گل الجھی۔

"اچھے ہی ہوں گے۔ میں انہیں نہیں جانتی۔ بس ذوباریہ کی برتھ ڈے پر ان سے تعارف ہوا تھا۔ مگر بات کیا ہے؟"

"بات....." اس کی پیشانی پر سوچ کی شکنیں پھیلی ہوئی تھیں۔

چند لمحے ہونٹ بھینچے جیسے اس نے کچھ طے کیا تھا۔ پھر بہت متوازن اور مضبوط لہجے میں گویا ہوا۔

"دیکھو شہر گل! تم جانتی ہو کہ ہمارے درمیان یہ رشتہ کن وجوہات کی بنا پر طے ہوا تھا۔ میری اپنی ایک لائف اور اپنی کمٹ منٹس تھیں۔ مگر میں نے محض بابا جان کی بات رکھی اور تمہیں پروٹیکشن دی۔ تمہیں اس ماحول اور گھٹیا رسومات کی سازش کا شکار ہونے سے بچایا۔ وہ اس وقت کا تقاضا تھا۔ مگر اب حالات بہتر ہیں۔ تمہاری لائف بھی سیٹل ہو چکی ہے۔ تو میرا نہیں خیال کہ اس معاملے کو اب طول دینا چاہیے....."

شہر گل نے کانپتے دل کے ساتھ اس کی بات کاٹی تھی۔

"آپ..... کہنا کیا چاہتے ہیں؟" اسے اپنی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔

"زندگی ایک جگہ تھم جانے کا نام نہیں ہے شہر گل! ہر پڑاؤ کو منزل سمجھ لینا بے وقوفی ہے۔ پڑاؤ اور منزل میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اور میں محض ایک پڑاؤ تھا تمہارے لیے....." وہ اس سے نظر ملائے بغیر کہہ رہا تھا۔

شہر گل اس کی ان توجیحات کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ پھر بھی اس کی آنکھیں برس پڑیں۔

وہ اویس شاہ کو مسلسل دیکھ رہی تھی۔ جو اس سے نگاہ بھی نہیں ملا رہا تھا۔

"زندگی میں بہت کچھ نہ چاہتے ہوئے بھی کرنا پڑتا ہے شہر گل! اور تم سے شادی کا فیصلہ بھی میرے لیے ایک ایسا ہی عمل تھا۔ جو میں نے محض تمہاری بھلائی کے لیے کیا۔"

(بلیوی روما..... اب حالات اور ہوں گے۔ بس تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ اور میں تو ہوں ہی تمہارا۔)

وہ محض اویس شاہ کے ہلتے ہوئے ہونٹ دیکھ رہی

تھی۔ اور اس کی سماعتوں میں اس کی کچھ دیر پہلے روما سے فون پر کی جانے والی بات گونج رہی تھی۔

"تو وہ اُسے رہائی کا اذن دینے کو ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مجھے نیند آرہی ہے۔" وہ روتے ہوئے بولی تو اس کے ایک ایک لفظ میں استدعا تھی۔ ہر لفظ اویس شاہ کے قدموں سے لپٹ رہا تھا کہ ایسے مت کرو ایسا مت کہو۔

اویس نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ اب کی بار جب وہ بولا تو اس کے لب و لہجے میں تلخی بھی تھی۔

"یہ سب تو اول روز سے طے تھا۔ پھر تم یوں کیوں ری ایکٹ کر رہی ہو....."

"میں آپ کی بیوی ہوں....." وہ زور پڑ گئی تھی۔

"مگر صرف پیپرز میں....." اس نے بہت سفاک حقیقت اس کے سامنے لا کھڑی کی تھی۔

شہرگل کو لگا اس کی ٹانگیں اس کے وجود کا بوجھ سہارنے سے انکاری ہوں۔

"آپ کے اس طرح کہنے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔ میں آپ کی منکوحہ ہوں۔ آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔" اس کی آواز کپکپانے لگی تھی۔

"تمہارے لیے تمہاری دوست ذوبازیہ کے بھائی کا پروپوزل آیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب تم اپنی زندگی کے متعلق سنجیدگی سے سوچو۔ عامر نے تو مجھے بہت اطمینان دلایا ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ پہلے تم اپنا مائنڈ میک اپ کر لو اور اپنی آئندہ زندگی....." وہ یہ کیا کہہ رہا تھا۔

شہرگل کو لگا ایک دھماکے سے کمرے کی چھت اس کے سر پر آ گری ہو۔ اب جانے آنسوؤں کی چادر تھی یا اس کی آنکھوں کے آگے سفید سی دھند پھیلی، گم ہوتے حواس کے ساتھ بے اختیار ہاتھ آگے بڑھا کر کسی شے کا سہارا تلاش کرنے کی کوشش میں ناکام ہوتی وہ لڑکھڑا کر نیچے گر گئی۔

"شہرگل..... اوہ گاڈ....." حواس کھونے سے پہلے اس کی سماعتوں سے اویس کی گھبرائی ہوئی آواز ٹکرائی تھی۔

☼ ☼ ☼

اویس کو مجبوراً ڈاکٹر کو گھر لانا پڑا تھا۔ وہ ہوش میں تو آ گئی تھی مگر اس قدر خاموش اور ساکت تھی کہ اویس خود گھبرا گیا۔

"یہ کسی صدمے یا ٹینشن کے زیر اثر ہیں۔ اور مسلسل ایسی کنڈیشن نروس بریک ڈاؤن کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ آپ انہیں ذہنی طور پر ٹینشن فری رکھیں..... یہ آپ کی.....؟" پروفیشنل لب و لہجے میں کہتے کہتے ڈاکٹر نے آخر میں اس سے ان دونوں کے مابین رشتے کی وضاحت چاہی تھی۔

"مسز ہیں میری....." ایک نگاہ بے تاثر چہرہ لیے آنکھیں موندے شہرگل پر ڈالتے ہوئے وہ جیسے بادل ناخواستہ بولا۔

"اوکے..... ان کا خیال رکھیں۔ بے احتیاطی نقصان دہ ہو سکتی ہے۔"

ڈاکٹر نے دواؤں کا پرچہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے تنبیہی انداز میں کہا تو وہ محض سر ہلا کر رہ گیا۔

وہ ڈاکٹر کو رخصت کر کے لوٹا تو شہرگل کو روتے ہوئے پایا۔

"تم اپنی پیکنگ کر لو۔ میں تمہیں ماما کے پاس چھوڑ آتا ہوں۔" اویس نے کسی نرمی کا مظاہرہ کیے بغیر سرد مہری سے کہا تو وہ تڑپ اٹھی۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"اپنی اور میری زندگی کو امتحان مت بناؤ۔ میں جتنا سہ چکا ہوں وہی میری برداشت سے بڑھ کے ہے۔" وہ جیسے پھنکارا تھا۔

"میں آپ سے کیا مانگتی ہوں..... کچھ بھی تو نہیں۔ صرف آپ کا نام۔ اس نام کی چادر مت چھینیں مجھ سے۔ آپ مجھے اس گھر میں مت رکھیں۔ ماما کے پاس چھوڑ آئیں مگر خود سے جدا مت کریں۔" اس عجیب و غریب صورت حال نے اویس کے دل کی کیفیت کو بھی عجیب سا کر دیا۔ وہ بے بس سا اس کے سامنے بستر پر

تنگ گیا۔

"میری زندگی کو اور مت الجھاؤ شہر گل! میں سفاکی اور بربریت کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ میری رگوں میں بے شک شاہوں کا خون ہے مگر شاہوں کی سی رعونت اور فرعونیت میرے مزاج کا حصہ نہیں ہے۔ میں تم سے ریکویسٹ کرتا ہوں پلیز اس باب کو بہیں خوش اسلوبی سے بند ہو جانے دو۔ میں روما سے محبت کرتا ہوں۔"

"میں نے آپ کو کبھی بھی روما سے محبت کرنے سے منع نہیں کیا۔ میں کبھی پلٹ کر آپ کی زندگی میں نہیں آؤں گی۔ آپ روما سے شادی کر لیں۔ مجھے صرف اپنے نام سے منسلک رہنے دیں۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں چاہتی۔" اویس لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔

"میں کسی اور کے متعلق کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔ آپ میری زندگی میں آنے والے واحد مرد ہیں جس سے میں محبت کرتی ہوں اویس! اپنا نام مجھ سے مت چھینیں۔" وہ رو رہی تھی۔

اسے محسوس ہوا جیسے وہ چند لمحے اور شہر گل کے پاس بیٹھا تو موم کی مانند پگھل جائے گا۔ اپنی مغلوب سی کیفیت سے گھبرا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر مزید اس کے کمرے میں رکے بغیر اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔

پہلی بار زندگی اسے تار عنکبوت کی مانند لگی تھی۔ جس میں وہ خود کو کسی بے بس مکھی کی طرح الجھا ہوا پا رہا تھا۔

☆☆☆

اگلے روز یونیورسٹی میں روما سے ملاقات بھی اویس شاہ کی پژمردگی دور نہیں کر پائی تھی۔ حالانکہ روما کا موڈ بہت اچھا تھا۔

"کیا فرق پڑتا ہے یار! ایک آدھ پیپر سے۔" وہ ہلکے انداز میں مسکرا کر بولا تو روما نے ناراضی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"قتل کر دوں گی میں تمہیں۔ اگر کبھی کسی اور لڑکی کے ساتھ دکھائی دیے تو۔ تمہارا ہر افیئر صرف مجھ سے ہونا چاہیے۔"

"اور شادی۔۔۔ اسلام میں تو چار جائز ہیں اگر افورڈ کر سکتے ہوں تو۔۔۔" وہ جانے کس رو میں تھا۔ مگر روما نے فی الفور اس کی کیفیت کا نوٹس لیا۔ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"تم ہو کن خیالوں میں اویس شاہ! میں کسی اور لڑکی پر پڑنے والی تمہاری نگاہ برداشت نہیں کر سکتی اور تم چار چار کے چکر میں ہو۔" وہ سنبھل کر بولا۔

"ایک تمہیں تو سنبھال نہیں پا رہا۔ باقی تین کا کیا کروں گا۔ چلو کیفے ٹیریا تک چلتے ہیں۔" وہ بات بدل گیا۔

اس کے ہم قدم چلتے ہوئے وہ ہر بات بھولنے لگتا تھا۔ مگر آج تو اٹھتا ہوا ہر قدم جیسے کسی کے آنسوؤں پر پڑ رہا تھا۔ کسی کے دل کو کچل رہا تھا۔

وہ اپنی کیفیت سے گھبرا کر روما سے باتیں کرنے لگا۔

وہ اسے اپنی اور شہر گل کی ناگہانی داستان سنانا چاہتا تھا مگر ہر بار الفاظ زبان کی نوک پر آ کر ٹھٹھر سے جاتے تھے۔ وہ روما کی جذباتیت اور اٹل طبیعت سے ناواقف تو نہیں تھا۔

"مجھے تمہاری بدگمانی نے بہت بدل کیا ہے روی! تم کیا مجھے جانتی نہیں ہو، جو محض مجھے شہر گل کے ساتھ دیکھ کر اس قدر انتہا پر اتر آئیں۔" چائے پیتے ہوئے وہ اندرونی خلفشار سے گھبرا کر ناراضی سے بولا تو روما نے ناپسندیدگی سے بھنویں سکیڑتے ہوئے اسے دیکھا اور ناگوار لہجے میں بولی۔

"مائنڈ یو اویس شاہ! میں تمہارے جھوٹ کی وجہ سے بدگمان ہوئی تھی۔"

"محبت کی پہلی سیڑھی اعتماد ہوتا ہے روی!"

"بشرطیکہ آپ اپنے رویوں پر راز کے پردے ڈال کر نہ رکھیں تو۔" اس نے فی الفور کہا تو وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔

"ہر بات بھی تو شیئر نہیں کی جا سکتی نا۔ اب تم جانے دن میں کتنی باتیں مجھ سے شیئر نہیں کرتیں۔"

"صرف وہ باتیں جن کا تعلق تم سے نہیں۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ۔" اس نے تصحیح کی۔

"اچھا... بالفرض سننے والے میں برداشت کرنے کا حوصلہ ہی نہ ہو تو خوامخواہ زندگی برباد کرنے کا کیا مقصد؟"

وہ جیسے کسی نتیجے پر پہنچنے کی تگ و دو میں تھا مگر روما اکتا گئی۔

"کم آن اویس! جب ہماری زندگی میں ایسا کچھ ہوا تو دیکھا جائے گا۔"

"ساری بات باہمی اعتماد کی ہوا کرتی ہے۔"

اویس نے پھر سے جتانے والے انداز میں کہا تو وہ کھل کے مسکرا دی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑے دلبرانہ انداز میں بولی۔

"مان لیا میں نے تمہیں اویس شاہ! لے آئی ایمان تمہاری محبت پر۔ بہت اعتماد کرتی ہوں میں تم پر، بس...؟"

"خیر... یہ تو وقت آنے پر ہی پتا چلے گا۔" وہ بالکل سنجیدہ تھا۔

"کیا بات ہے اویس! کچھ پریشان ہو؟" روما کھٹکی تو وہ قصداً مسکرا دیا۔

"تمہارے اعتماد کی سند پا کر کچھ بہتری محسوس کر رہا ہوں۔ تم فکر مت کرو۔"

"پتہ ہے اویس! میں تمہاری طرف ملتفت کیوں ہوئی تھی؟" چند لمحوں تک کچھ سوچنے کے بعد وہ جیسے اپنی ہی کسی سوچ سے محظوظ ہوتے ہوئے اس سے پوچھنے لگی تو اویس نے محض بھنوؤں کو خفیف سی جنبش دیتے ہوئے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیونکہ تم مجھ میں انٹرسٹڈ تھے اور سیانے کہتے ہیں کہ ہمیشہ اس کو اپناؤ جو تم سے محبت کرتا ہے۔"

"اس میں سیانے پن کی کون سی بات ہے؟" اویس جیسے ناسمجھی سے بولا۔

"جو ہم سے محبت کرتا ہے، وہ ہمیں خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ قبول کرتا ہے۔ سر آنکھوں پہ بٹھاتا ہے، تلخ و ترش برداشت کرتا ہے۔" وہ مزے سے کہہ رہی تھی۔

"اچھا... یعنی نقصان میں، میں جا رہا ہوں۔" وہ اس کی سوچ سن کر ہنس دیا۔

"جس کے پاس روما اکرام ہو، وہ کیسے نقصان میں جا سکتا ہے۔" وہ اترا کر بولی تو اویس گہری سانس بھر کے رہ گیا جبکہ وہ اب اس کا والٹ اٹھا کر چائے کی ادائیگی کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"السلام علیکم۔" وہ تیزی سے یونیورسٹی کے پارکنگ ایریے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جب شہر گل کی دوست ذوباریہ اس کے راستے میں آ گئی۔

"وعلیکم السلام۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی رکنا پڑا۔ مگر ہونٹوں پر مسکراہٹ موجود تھی۔

"آج شہر گل نہیں آئی؟" ذوباریہ نے پوچھا۔

"ہاں، اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔"

"ایکچوئلی اس نے کبھی مجھے اپنا پتہ نہیں دیا کیا آپ اس کے ہوسٹل کا ایڈریس دے سکتے ہیں؟" اس کی بات پر اویس کا ذہن چکرا گیا۔

"وہ ہوسٹل میں نہیں، اپنی آنٹی کے ہاں ہے۔" اس نے سنبھلتے ہوئے کہا تو ذوباریہ نے سادگی سے دوبارہ پوچھا۔

"شالیمار اپارٹمنٹس میں...؟"

"یہ آپ سے کس نے کہا؟"

وہ گڑبڑا گیا۔ ذوباریہ نے گہری سانس لیتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا ہم تھوڑی دیر کے لیے بات کر سکتے ہیں؟"

"ابھی...؟"

وہ اپنی رسٹ واچ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے جیسے ہچکچایا تو وہ اسی سنجیدگی سے بولی۔

"بعض اوقات چند منٹ ضائع کر کے انسان اپنی پوری زندگی بچا لیتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس بات میں آپ ہی کی بہتری ہو۔" لمحہ بھر اس کی بات پر غور کرنے

کے بعد اس نے اپنے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

"کہاں بات کریں گی؟"

"آپ مجھے میرے گھر تک ڈراپ کر دیں۔ راستے میں بات بھی ہو جائے گی۔" وہ آرام سے حل پیش کرتے ہوئے بولی۔ روڈ پر آتے ہی وہ دوستانہ انداز میں بولا۔

"اگر آپ شہر گل کے لیے اپنے بھائی کا پرپوزل پیش کرنا چاہتی ہیں تو میں بتا دوں کہ عامر مجھ سے بات کر چکا ہے۔"

"شہر گل کیسی لڑکی ہے؟" زوباریہ کا سوال عجیب تھا تو لہجہ عجیب تر۔

"میں تو ظاہر ہے اس کی تعریف ہی کروں گا۔ کزن ہے میری۔" وہ محتاط انداز میں بولا۔

"اس رشتے سے قطع نظر آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟" اس کے انداز میں اصرار تھا کہ کسی ان کہی کو جانے گا۔

"وہ ایک بہترین لڑکی ہے۔ اس میں ہر وہ خوبی موجود ہے جو میرے خیال میں کسی بھی اچھی لڑکی میں ہونی چاہیے۔"

اس کی تسلی کی خاطر اب کی بار اویس نے پوری سچائی سے شہر گل کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"تو کیا آپ کو اپنی زندگی کے لیے ایسی اچھی اور بہترین لڑکی نہیں چاہیے؟" اویس کو لگا وہ شاک سے اڑ گیا ہو۔ بے اختیار ہی اس کا پاؤں بریک پر پڑا تھا۔ گاڑی کی اسپیڈ بتدریج گھٹنے لگی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" اسے یکلخت ہی زوباریہ کی بات پر غصہ آنے لگا۔

"میں یہ کہہ رہی ہوں کہ اگر وہ آپ کی نظر میں اس قدر بہترین لڑکی ہے تو آپ میرے بھائی کا پرپوزل قبول کرنے کی بجائے خود اسے پرپوز کیوں نہیں کرتے؟" وہ اب قدرے جھجکتے ہوئے انداز میں پوچھ رہی تھی۔ اویس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے سوال کا کیا جواب دے۔

"آپ کو میرے پرسنلز میں انٹرفیئر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ بہر حال میں شہر گل کی دوست اور عامر کی کزن ہونے کے ناتے آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔"

"تھینک یو۔ میں نے بھی ان ہی دو رشتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے آپ سے بات کی تھی۔" وہ ذرا بھی نہیں گھبرائی تھی۔

اس کی ڈھٹائی اویس شاہ کی طبیعت مکدر کرنے لگی۔ اس کا جی چاہا اخلاقیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر بھی اس لڑکی کو سڑک کے بیچ اتار دے۔

"اگر آپ اپنا پرپوزل واپس لینا چاہتی ہیں تو بصد شوق مگر اس کے لیے مجھے اور شہر گل کو اسکینڈلائز کرنا مجھے بالکل بھی پسند نہیں۔ آئی۔" وہ بے حد ناگواری سے بولا تو زوباریہ متاسفانہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے جیسے حیران ہو کر بولی۔

"اسکینڈلائز۔۔۔؟ اوروں کا تو سنا تھا مسٹر اویس شاہ! مگر میاں بیوی بھی اسکینڈلائز ہو سکتے ہیں یہ اس صدی کا ایک عظیم لطیفہ ہی ہو سکتا ہے۔" اس کے لب و لہجے میں تلخی تھی مگر اویس کے تو تمام حواس ہی بکھر گئے تھے۔

تو۔۔۔ شہر گل اسے تمام حقیقت بتا چکی تھی۔

"وہ میری بیوی نہیں ہے۔" وہ بھنچے ہوئے لہجے میں ترشی سمو کر بولا تو چہرے کی رنگت جانے کس احساس کی شدت سے سرخ تر ہونے لگی۔

"اچھا۔۔۔" وہ تمسخرانہ انداز میں دھیرے سے ہنسی پھر اسی لہجے میں پوچھنے لگی۔

"اور یہ بات آپ کس کس کو بتائیں گے؟" اویس نے گاڑی روک دی۔

اس کے اعصاب جواب دینے لگے تھے۔ زوباریہ نے اسے جیسے بے نقاب کر دیا تھا۔

"اور آپ تو شاید اس معاشرے میں سروائیو کر ہی جائیں مگر اس اچھی لڑکی کے متعلق آپ نے بھی سوچا ہے کہ وہ کس کس کو اس کاغذی نکاح کی اصلیت

بتائے گی اور کوئی اس کی بات کا یقین کرے گا بھی یا نہیں۔" وہ بہت دکھ سے کہہ رہی تھی۔

"یہ آپ کا دردِ سر نہیں ہے اور آپ کی دوستی کا انجام بھی مجھے دکھائی دے رہا ہے۔" وہ تلخ ہونے لگا تھا۔

ذہن اس انکشاف پر تپتی بھٹی بنا ہوا تھا کہ شہر گل نے ایک انتہائی راز کی بات یوں پھیلا دی تھی اور اگر یہ سب روما جان جاتی تو....

"میری دوستی میں کوئی کھوٹ نہیں اویس صاحب! اصلیت جان کر میں اپنی راہ لیتی تو کوئی میرا کیا کر لیتا مگر حقیقت جان لینے کے بعد جب میرے بھائی نے اپنا ریوالور واپس لیا تب مجھے احساس ہوا کہ آپ تو شہر گل کو چھوڑنے کے بعد اپنی "کمٹ منٹ" نبھائیں گے مگر شہر گل کی زندگی میں بھی کوئی اور اویس شاہ نہیں آئے گا اور نہ ہی وہ آنے دے گی کیونکہ یہ جاننے کے باوجود کہ آپ اسے زندگی بھر قبول نہیں کریں گے وہ کسی صلے کی خواہش کیے بنا آپ سے محبت کر رہی ہے۔" ذوباریہ کی آواز بھر گئی تھی۔

اویس کو لگا اس کے ذہن کی طنابیں کھنچنے لگی ہوں اس کا سر درد سے پھٹنے کو تھا۔

آس پاس سے گزرتے ٹریفک کے تیز ہارن اسے ہوش میں لائے تو اس نے دیکھا اس کے ساتھ والی سیٹ خالی تھی۔

ذوباریہ نجانے کب اتر کر چلی گئی تھی اور اسے احساس بھی نہیں ہوا تھا۔

وہ فلیٹ میں پہنچا تو شدید ذہنی کرب سے گزرنے کے بعد اب غصے کی انتہا پر تھا۔

شہر گل نے یوں دروازہ کھولا جیسے گزشتہ روز ان کی آپس میں کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو مگر اس کے پلٹنے پر اویس نے ٹھوکر کے ساتھ دروازہ بند کیا تو اس نے مڑ کر حیران نظروں سے دیکھا۔ لاؤنج میں پہنچ کر وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ شہر گل کو لگا جیسے وہ پھٹ پڑنے کو ہو اور یہی خوف اسے اویس سے مخاطب ہونے سے روک رہا تھا۔

"پانی لاؤں آپ کے لیے؟" معمول کا سوال بھی اس نے اپنی پوری ہمت مجتمع کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تم نے اپنی پیکنگ کر لی ہے؟" جواباً اویس شاہ کا انداز بہت سرد تھا۔ شہر گل کے حواس ٹھٹھرنے لگے۔ کل والا خوف آن واحد میں اسے گھیرنے لگا تھا۔ وہ کل جسے وہ ایک ڈراؤنا خواب سمجھ کر بھول چکی تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہیں واپس جانا ہے تو پھر...؟" وہ اس پر برس پڑا۔

"اگر آپ یونہی خوش ہیں' اچھی زندگی گزار سکتے ہیں تو میں چلی جاؤں گی مگر آپ کے نام کی چادر اوڑھ کر۔" شہر گل زرد پڑنے لگی تھی۔ اویس کا دماغ گھومنے میں ایک سیکنڈ ہی لگا تھا۔

"دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تمہارا۔ محض کسی کے نام پر تمام عمر بیٹھ رہنا اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے۔"

"جب آپ اس بات کو نہیں سمجھتے تو جانے دیں۔ مجھے فقط آپ سے آپ کا نام چاہیے۔ محبت کرنے والے "بہت" کے لالچ میں نہیں پڑتے۔" وہ اب قدرے پرسکون تھی۔ اویس کو لگا اس کی دماغی حالت ٹھیک نہ ہو۔

"اگر آپ کو اپنی محبت پر اعتماد نہیں ہے تو روما کو میرے متعلق مت بتائیں۔ میں تمام عمر کسی اور ٹھکانے پر خاموشی سے گزار لوں گی۔ آپ کو کسی امتحان میں نہیں ڈالوں گی۔"

"شٹ اپ۔ اپنا یہ فلسفہ بند کرو اور واپسی کی تیاری پکڑو۔" وہ قطعیت سے بولا۔

"میں اپنا بیگ تیار کر چکی ہوں مگر میں آج نہیں کل جاؤں گی۔"

اس کا انداز گفتگو اویس کو خلجان میں مبتلا کرنے لگا۔ گو اس کی رنگت ابھی بھی اڑی ہوئی تھی مگر لہجہ بے حد مضبوط تھا۔ اسے شہر گل کے ساتھ ایسا سلوک کر کے قطعی کوئی خوشی نہیں ہو رہی تھی۔ شاید روما نہ ہوتی تو وہ اس تعلق کو قبول کر لیتا مگر وہ فطرتاً "کسی ایک کا ہو کر رہنے والی طبیعت کا مالک تھا اس لیے یہ سب

اسے ”بے ایمانی“ کے مترادف لگ رہا تھا۔
”تم نے یہ سب ذوباریہ سے کیوں ڈسکس کیا ہے؟“
اویس کی ذہنی رو پلٹی تو گزرے ہوئے لمحات کی شرمساری کا احساس پھر سے اسے شعلوں میں دھکیلنے لگا۔
”میں چاہتی تھی کہ وہ اپنے بھائی کا پروپوزل واپس لے لے۔“
”تو اس کے لیے کیا اسے تمام حقیقت بتانا ضروری تھا۔“ اویس نے دانت پیسے۔
”میں نے اس سے کہا تھا کہ حقیقت یہ ہے۔ اس کے باوجود اگر اس کا بھائی اپنے پہلی نظر کی شدید محبت والے دعوے پر قائم رہا تو شاید کچھ معاملہ بنے مگر صرف سچی محبت کرنے والوں کے دل ہی اتنے وسیع ہوا کرتے ہیں۔“ وہ حد درجہ اطمینان سے کہہ رہی تھی۔
اویس کے ذہن میں ذوباریہ کی کہی باتیں گونجنے لگیں ”تو کیا وہ دونوں ساری عمر اس تعلق کی ”حقیقت“ بتانے کی خاطر کٹہرے میں کھڑے رہیں گے؟“ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔
”صرف سچی محبت کرنے والوں کے دل ہی اتنے وسیع ہوا کرتے ہیں۔“ شہر گل کی بات نے جیسے اس کے ذہن میں ایک نئی روشنی سی بھر دی تھی۔
اس پوری رات وہ سو نہیں پایا تھا۔ صبح بھی اس کی آنکھیں جل رہی تھیں مگر ان میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ کسلمندی سے بستر پر کروٹیں بدلتا رہا پھر سات بجے کے قریب اٹھ کر واش روم میں گھس گیا۔
تیار ہو کر کمرے سے نکلا تو ارادہ یہی تھا کہ صبح ہی صبح شہر گل کو گھر چھوڑ آئے۔
دستک دینے پر بھی اس کے کمرے سے کوئی آواز نہیں آئی تو اویس نے ذرا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ کمرے کی لائٹ آن تھی مگر شہر گل کہیں دکھائی نہیں دی۔
وہ کچن میں آیا تو وہ وہاں بھی نہ تھی۔ الجھتا ہوا وہ دوبارہ اس کے کمرے میں گیا مگر وہ کہیں ہوتی تو ملتی۔
ہاں مگر اس کے بستر پر دھرے شیشے کے خالی گلاس کے نیچے دبے پیپر نے فی الفور اویس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔
اس نے بعجلت وہ پیپر گھسیٹا جس پر شہر گل کی بے بسی کی داستان رقم تھی۔ اس کی نظریں تیزی سے ان حروف پر پھسلنے لگیں۔
”میں جا رہی ہوں کہاں۔۔۔؟ یہ شاید میں خود بھی نہیں جانتی۔ حویلی سے نکلی تو فقط آپ کے سہارے مگر اب جبکہ آپ ہی مجھ سے اپنا آپ چھیننا چاہتے ہیں تو میں آپ کی زندگی کو کسی امتحان میں ڈالے بنا جا رہی ہوں۔ آپ روما سے اپنی کمنٹ منٹ کو بصد شوق نبھائیں مگر مجھ سے اپنا نام جدا مت کریں۔ میں تاعمر آپ کے نام سے پہچانی جانا چاہتی ہوں کیونکہ آپ نے چاہے روما سے۔۔۔ مگر میں نے فقط آپ سے محبت کی ہے۔ جس اللہ نے آپ کے دل میں میرے لیے ہمدردی کا جذبہ ڈالا تھا اسی اللہ کے واسطے مجھ سے اس محبت کا حق مت چھینئے گا۔“ اویس کا ذہن سائیں سائیں کرنے لگا۔
یہ کیا ہو گیا۔۔۔ کہاں چلی گئی تھی وہ کہاں جا سکتی تھی؟ اویس کے علاوہ وہ اور کسی کو نہیں جانتی تھی۔ روپیہ پیسہ اس کے پاس نہیں تھا تو پھر کہاں۔۔۔؟ وہ تیزی سے باہر نکلا تھا۔ اس کے ذہن میں پہلا اور آخری نام ذوباریہ کا آیا تھا۔
عامر کا نمبر ملا کر بعجلت اس سے ذوباریہ کا فون نمبر لے کر ذوباریہ کے موبائل پر کال کرنے لگا۔
”ہیلو۔۔۔“ کافی دیر کے بعد ذوباریہ نے کال ریسیو کی تو اس کی آواز سے لگا جیسے وہ نیند سے جاگی ہو۔
”میں اویس بول رہا ہوں۔ کیا شہر گل آپ کے پاس ہے؟“
”کیا۔۔۔ اتنی صبح صبح وہ میرے پاس کیا کرنے آئے گی۔“ وہ حیران ہوئی تھی۔
اویس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا پھر اسے ایک اور خیال آیا تھا۔
”ہو سکتا ہے کہ تھوڑی دیر تک وہ آپ کے پاس

پہنچ جائے‘ آپ مجھے فوراً انفارم کیجیے گا۔“

”مگر وہ اتنی صبح۔۔۔ کوئی کام ہے اسے مجھ سے؟“ وہ یقیناً اس کی پریشانی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

”شاید۔۔۔ خدا حافظ۔“ مزید بحث کو عبث جان کر اس نے فون بند کر دیا۔

پریشانی کے عالم میں پیشانی مسلتا وہ تیزی سے گاڑی کی چابی اٹھائے گھر سے نکل آیا۔

ذہن اس قدر کثیف سوچوں کی زد میں تھا کہ لفٹ کی بجائے وہ سیڑھیوں کے ذریعے نیچے آیا تھا۔

سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے اسے ہر دوسرے چہرے پر شہرگل کا گمان ہو رہا تھا۔

”کیا ضروری تھا کہ یہ سب میری ہی زندگی میں ہوتا۔۔۔“ لوگوں کے بے فکر چہرے دیکھ کر چند منٹوں میں وہ کئی بار سوچ چکا تھا۔

وہ اسے کہیں نہیں ملی تھی اور وہ اسے ڈھونڈتا بھی کہاں۔ یونہی سڑکوں پر پھرتی تو نہ ملتی وہ تو پھر کہاں۔۔۔؟ وہ بے بسی سے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مار کر رہ گیا۔

ان گزرے تین گھنٹوں میں اس کی ذہنی حالت دگرگوں ہو کر رہ گئی تھی۔ بہت پھر طے کرنے کے بعد وہ روما کے ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔

”خیریت اویس! اتنی صبح۔۔۔“

آج اتوار کی چھٹی تھی اور یقیناً روما کی ”صبح“ اتنی جلدی نہیں ہوتی تھی۔ وہ سوئی جاگی کیفیت میں اس کے مقابل تھی۔

اویس کی سرخ ہوتی آنکھیں اور شب بیداری کا مظہر پریشان چہرہ اسے ریڈ سگنل دے رہا تھا۔

”مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنا تھی۔“

”اُفوہ۔۔۔ تجدید محبت‘ تو اس کے لیے کم از کم ٹائم تو کوئی اور چُن کے رکھتے۔“ وہ کہتے ہوئے مسکرائی تھی۔ بہت پرسکون اور قدرے لاپروا۔ اویس نے نظر بھر کے اسے دیکھا۔

اس کی ذہنی پریشانی اسے بہت زیادہ سوچنے نہیں دے رہی تھی‘ ورنہ شاید وہ اپنے نفع و نقصان پر غور کرنے کے بعد یہاں آتا مگر پھر وہ بولنا شروع ہوا تو رکا نہیں تھا۔

اول تا آخر۔ بنا کسی قطع و برید کے اس نے تمام حالات و واقعات روما کے سامنے رکھ دیے تھے۔

ایک مان سا تھا کہ سچی محبت کرنے والوں کا دل بہت وسیع ہو گا مگر کچھ مان جب ٹوٹتے ہیں تو ان کی کرچیاں شیشے سے بھی زیادہ زخمی کرتی ہیں۔

وہ دم بخود ساکت بیٹھی اس کی داستان سن رہی تھی۔ یوں منجمد کہ اس کے وجود میں ذرا سی بھی جنبش نہیں ہوئی تھی۔ وہ رکا تو پہلی بار اس نے بے یقینی سے کہا۔

”تم مذاق کر رہے ہو اویس۔۔۔؟“

”میں تو خود قدرت کے اس مذاق پر ششدر ہوں۔“ اس نے تھکے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے جیب میں سے شہرگل کا لکھا ہوا آخری خط نکال کر اس کی طرف بڑھایا جسے تھام کر وہ بے یقین نگاہیں ان قیامت خیز سطروں پر دوڑانے لگی۔ اس کی رنگت پہلے زرد اور پھر سرخ پڑی تھی۔

”بہت خوب۔۔۔ تو حقیقت یہ ہے اویس شاہ! جس سے تم نے مجھے آگاہ کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔“ وہ تلخی سے گویا ہوئی تو اس نے صفائی پیش کرنے والے انداز میں کہا۔

”میں نے پہلے تمہیں آگاہ کرنے سے متعلق سوچا تھا‘ لیکن تمہیں آگاہ تو تب کرتا جب ان تمام واقعات کی کوئی حقیقت ہوتی۔“

”جھوٹ مت بولو اویس! یوں کہو کہ تم میری آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے ہو۔ مجھے بے وقوف بناتے رہے ہو۔“ وہ غصے سے چلائی تو اویس بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے متاسفانہ انداز میں بولا۔

”باوجود اس کے کہ میں نے خود تمہیں آکر اس بات سے آگاہ کیا ہے‘ میں تمہارے لیے ناقابل اعتبار ٹھہرا ہوں؟۔“

”واہ اویس شاہ! ویری انٹیلی جینس۔“ وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

"کیسے بے وقوف بنا رہے ہو اویس شاہ! پچھلے کتنے ماہ سے تم اس لڑکی کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہ رہے ہو اور شاید ایک کمرے میں بھی۔"

"روما!" وہ غرایا۔

"تم مجھے جانتی ہو۔"

"میں جس اویس شاہ کو جانتی تھی وہ تم نہیں ہو۔ ہاؤ ڈیر یو (تمہاری ہمت کیسے ہوئی) اتنی بڑی "خیانت" کے بعد تم میرے سامنے آکھڑے ہوئے ہو۔"

وہ اس کی بات کاٹ کر اتنی ہی بے اعتنائی سے بولی تو سنسناتے ذہن کے ساتھ اویس شاہ محبت کے اس روپ کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔

(صرف سچی محبت کرنے والوں کے دل ہی اتنے وسیع ہوا کرتے ہیں۔)

شہر گل کا بھیگا ہوا لہجہ اس کی قریب ہی کہیں گونجا تھا۔ تو کیا وہ لاشعوری طور پر روما کی محبت کی وسعت چیک کرنے آگیا تھا؟۔ اس کے اعتبار کا پیمانہ جانچنا چاہ رہا تھا؟۔

مگر روما کے اعتبار کا یہ کون سا روپ تھا کہ اس نے لحظہ بھر کو بھی تمام صورت حال کو سمجھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

(آپ تو شاید اس معاشرے میں سروائیو کر ہی جائیں مگر اس اچھی لڑکی کے متعلق آپ نے کبھی سوچا ہے کہ کس کس کو اس کاغذی نکاح کی اصلیت بتائے گی۔)

ذوباریہ کا کہا جملہ اس وقت اویس کو کوڑے کی طرح لگا تھا۔

"ہمارے مابین کوئی رشتہ نہیں تھا روما! اور اگر میں نے یہ قدم اٹھایا بھی تھا تو تمہارے اعتبار کے بل بوتے پر۔ مان تھا مجھے تم پر۔" اس نے تاسف سے کہا تو وہ تڑختے ہوئے لہجے میں بولی۔

"بہت خوب۔ میرے مان کی تو دھجیاں اڑا دیں تم نے اور مجھ سے اتنی توقعات وابستہ کیے بیٹھے ہو۔"

"حقیقت کو دل کی آنکھ سے دیکھو روما!" اویس کو غصہ آنے لگا تھا مگر وہ تلخی سے بولی۔

"حقیقت دل سے نہیں دماغ سے نظر آتی ہے اور تم نے جو کیا ہے وہ تو معافی کے بھی لائق نہیں۔"

"میں تم سے معافی مانگنے نہیں آیا ہوں۔" وہ یکلخت بھڑک اٹھا تھا۔ "بس ایک مان سا تھا تم پر روما اکرام! کہ تم مجھ پر، میرے کردار کی مضبوطی پر ویسا ہی یقین رکھتی ہو، جیسا یقین مجھے تمہاری محبت پر ہے۔"

"میں نے تو تم سے محبت ہی کی تھی اویس شاہ! تم ہی اس کے تقاضوں کو نہیں نبھا پائے۔"

پہلی بار اس نے روما کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی محسوس کی تو اس کا دل بھینچنے لگا۔ وہ اس کی پہلی محبت تھی۔

"خدا گواہ ہے رومی! میں ہر امتحان میں پورا اترا ہوں۔ میں نے اپنی تم سے محبت پر آنچ بھی نہیں آنے دی۔" وہ جذباتی انداز میں بولا تو اس نے بے ساختہ نم لہجے میں کہا۔

"میں یہ کیسے مان لوں اویس شاہ! اتنی خوبصورت لڑکی کے ساتھ تنہائی میں..."

"بس کرو روما!" وہ ضبط سے سرخ ہوتا چہرہ لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تو یہ تھی حقیقت تمہاری نام نہاد محبت کی۔ میں تمہارے سامنے اپنی صفائیاں پیش کرنے یہاں نہیں آیا تھا مگر تم نے تو میرے زخموں پر پھاہے رکھنے کے بجائے مجھے ہی کٹہرے میں کھینچ لیا ہے۔" وہ تلخی سے کہنے لگا۔

"ایک حقیقت یہ بھی ہے اویس شاہ! کہ وہ لڑکی ابھی تک تمہاری بیوی ہے۔" روما نے جیسے آئینہ اس کے سامنے لا رکھا تھا۔

"ہاں، وہ بیوی جسے صرف میرے نام کی چاہت ہے اور کچھ نہیں اور تم روما اکرام! فی الحال مجھ پر کوئی حق نہ رکھتے ہوئے پورے کا پورا اویس شاہ کو پا کر بھی بے یقین ہو؟۔ مجھے شک اور بے اعتمادی کے پلڑے میں تول رہی ہو؟۔" خلاف توقع اویس کے لب و لہجے میں ٹھہراؤ کی سی کیفیت در آئی تھی۔ جیسے وہ کسی انجام تک پہنچنے کو ہو۔

”میں کسی کی جھوٹن استعمال کرنے کی عادی نہیں ہوں اویس!“ وہ بے حد سنگدل بن گئی تھی۔

ہر رشتہ کچے دھاگے کی طرح ٹوٹنے لگا تو اویس کو محسوس ہوا اس کے پاس مزید کچھ کہنے کو الفاظ باقی نہیں رہے۔ یوں محبت کی بھیک مانگنا اس کی سرشت میں بھی نہیں تھا۔

”میرے خیال میں ہمیں ایک اچھے ماحول میں ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ دینا چاہیے۔“ اس نے تمام تعلقات کی بساط سمیٹ دی تھی مگر وہ اس کے حق میں کبھی نہیں تھی۔

”نہیں اویس! میں اس تعلق کی کوئی اچھی یاد اپنے ذہن میں نہیں رکھنا چاہتی۔ میرے دل میں اس بدگمانی کو زندہ رہنے دو تاکہ میں تمام عمر اپنے دل کو تمہاری طرف پلٹنے نہ دوں۔“

وہ بے اعتنائی سے بھرپور انداز میں بولی تو لمحہ بھر اس کا چہرہ دیکھنے کے بعد پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔ ضبط کی حدوں تک پہنچی روما اکرام ہاتھوں میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اویس شاہ جیسے شخص سے دستبردار ہونا کوئی آسان کام تو نہیں تھا مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی‘ جو اپنی شے کو خالص اپنا دیکھنا پسند کرتا تھا۔ محبت کے دامن پہ لگے داغ کو کوئی ’کوئی اپنانے کی ہمت رکھتا ہے۔

☼ ☼ ☼

وہ شہرگل کی تلاش میں خوار ہو کے رہ گیا۔ شام کے پانچ بج چکے تھے اور اس کا کہیں بھی پتہ نہیں چلا۔

”مجھے بابا کو فون کر دینا چاہیے۔ نو گھنٹے کوئی کم عرصہ نہیں ہوتا۔“ ذہنی حالت ابتر ہو چکی تھی۔

”یہ ٹھیک ہے کہ میں روما سے بہت محبت کرتا تھا مگر وہ بھی میرے گھر میں میری منکوحہ بن کے آئی تھی۔ ایک قطعی محرم اور جائز رشتہ اور میں نے کیا کیا۔ اول روز سے ہی اس شادی کو ”پیپر میرج“ کا نام دے دیا۔ ایک مظلوم لڑکی کی مدد کو آگے بڑھا بھی تو یوں کہ اس کی قسمت کا فیصلہ (نعوذباللہ) اپنے ہاتھ میں رکھ لیا مگر میں نہیں جانتا تھا کہ مجھ جیسوں کے فیصلے بھی پھر اللہ جلد ہی کر دیتا ہے۔ میں نے روما جیسی سنگ دل اور خود پرست لڑکی کے لیے اسے ٹھکرایا اور اب روما بھی میری زندگی میں نہیں ہے۔ اللہ جانتا تھا کہ روما میرے لیے بہتر نہیں ہے‘ اسی لیے اس نے میرے لیے شہرگل کو چنا مگر میں نے اسے ریجیکٹ کر دیا۔ نتیجتاً روما نے مجھے ریجیکٹ کر دیا۔ اللہ نے مجھے بہتر کے بدلے بہترین سے نوازا۔ اور میں نے ایک نامحرم رشتے کے پیچھے بنا سوچے سمجھے اس محرم رشتے کو ٹھکرا دیا جو اوپر سے طے ہو کے آیا تھا۔

تو کیا یہ سزا میرے لیے ٹھیک نہیں ہے؟ جب ہمارا مذہب اجازت دیتا ہے کہ ہم انصاف کر سکنے پر دو یا اس سے زائد بیویاں رکھ سکتے ہیں تو کیا میں اس کے حقوق پورے نہ کر سکتا تھا جو محض میرے نام کے سہارے ہی زندگی بسر کرنے پر راضی تھی۔ میں نے کیوں یہ نہیں سوچا کہ تین سالہ کمٹمنٹ کے باوجود اگر روما مجھ سے قطع تعلق کر سکتی ہے تو پھر اس ظالم معاشرے میں شہرگل کو کون اپنائے گا۔ جو کسی کی منکوحہ تو تھی پر بیوی نہیں۔ یا اللہ۔۔۔ یہ میں کیا کر بیٹھا ہوں۔“

وہ واپس فلیٹ پر آ گیا تھا۔ اس کے اعصاب شدید تناؤ کا شکار تھے۔ گزشتہ رات کی شب بیداری اور نو گھنٹے مسلسل شہر کی سڑکوں پر شہرگل کی پاگلوں کی طرح تلاش نے اسے توڑ کے رکھ دیا تھا۔ اس دوران وہ مسلسل زوبار یہ سے بھی رابطہ رکھے ہوئے تھا‘ جو خود شہرگل کی گمشدگی کی خبر پا کر صدماتی کیفیت میں گھر گئی تھی اور اویس پر مسلسل زور دے رہی تھی کہ وہ پولیس میں اطلاع کر دے۔

”میں بابا اور ماما کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ تم نے اچھا نہیں کیا شہرگل۔“ اس کا ذہن شل ہو رہا تھا۔

”اور جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے اویس شاہ! پل بھر کو بھی یہ نہیں سوچا کہ ایک ”طلاق یافتہ“ لڑکی کی زندگی کیسی ہوتی ہے ہمارے معاشرے میں بوڑھوں اور رنڈوؤں کو تو جوان کنواری لڑکی کا رشتہ مل جاتا ہے مگر ایک طلاق یافتہ یا بیوہ عورت‘ جس کا ایک آدھ بچہ

بھی ہو اس کے لیے کسی ہم عمر یا کنوارے کا رشتہ ملنا تو دور اس بارے میں سوچنا بھی جیسے گناہ سمجھا جاتا ہے۔ اس معاملے میں ہمیں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کیوں یاد نہیں آتی۔ کیسا گناہ کر بیٹھا ہوں میں۔" اس کے موبائل کی بیل مسلسل بج رہی تھی۔

چونک کر سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس نے اسکرین پر آنے والا نمبر دیکھا تو اس کی دھڑکن ڈوب سی گئی۔

"بابا..."

"ہیلو... السلام علیکم بابا جان!" وہ بدقت تمام خود پر کنٹرول کر پایا تھا۔

"وعلیکم السلام بابا کی جان۔ کیسے ہو اور شہر گل کا کیا حال ہے؟" وہ بہت اچھے موڈ میں تھے۔ اویس کا دل ڈوبنے لگا۔

(تو آخری امید بھی گئی۔ شہر گل ان کے پاس بھی نہیں تھی۔)

"سب ٹھیک ہے بابا جان!" اس کی آواز بھاری ہونے لگی تھی۔

کبھی جذباتی نہ ہونے والا اویس شاہ اس پل پگھلا جا رہا تھا۔

"میں اور تمہاری ماما آرہے ہیں بلکہ ابھی چند منٹوں میں پہنچنے والے ہیں تمہارے پاس۔" ان کا خوشگوار انداز اسے ساکت کر گیا تھا۔ پیار اور دعا کے بعد انہوں نے رابطہ منقطع کر دیا تو وہ صوفے پر ڈھے سا گیا۔

"یا اللہ... میں شاید اتنی عاجزی سے زندگی میں تجھ سے کبھی اور کچھ نہ مانگ پاؤں۔ وہ لڑکی میری عزت ہے۔ اسے میری ہی قسمت میں رکھنا۔ کسی شفاف آئینے کی مانند۔" بے اختیار ہی اس کے دل سے دعا نکلی۔

اگلے پندرہ منٹوں کے بعد بہزاد شاہ اور زرین اس کے پاس پہنچ چکے تھے۔

"کیسے ہو ینگ مین؟" انہوں نے اسے گلے لگایا۔

اویس کی دگرگوں حالت، آنکھوں میں اترتی بے تحاشا سرخی نے ان دونوں کو چونکا دیا۔

"کیا ہوا۔ شہر گل کہاں ہے بیٹا؟" زرین نے بے تابی سے پوچھا تو لہجے میں بہت سے وہم چھپے ہوئے تھے۔ اور ایک اسی سوال کا جواب تو نہیں تھا اس کے پاس۔

"وہ نہیں ہے ماما..."

"کیا مطلب نہیں ہے؟" بہزاد شاہ کی پیشانی پر شکن ہونے لگی تھی۔

"وہ مجھے چھوڑ گئی ہے بابا جان!" وہ ان سے نظر نہیں ملا پایا تھا۔

"چھوڑ گئی ہے یا تم نے اسے گھر سے نکال دیا ہے اویس!" وہ صدمے سے بولے اور زرین تو وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

اویس نے شہر گل کا لکھا ہوا پرچہ ان کے سامنے لا رکھا۔

"تم... تم اسے چھوڑنے والے تھے؟" بابا جان بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ شرمندگی کی دلدل میں دھنسنے لگا۔

"میں نے اس سے فقط اتنا کہا تھا کہ میں اسے آپ لوگوں کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔" اس نے بھاری ہوتے ہوئے لہجے میں کہنا چاہا مگر وہ درشتی سے اس کی بات کاٹ گئے۔

"اور تمہارا اگلا قدم کیا ہوتا... طلاق؟"

"یہ تم نے کیا کیا اویس! میں نے تمہاری ایسی تربیت تو نہ کی تھی۔" زرین بیچاری رو دی تھیں۔

"سب میری غلطی ہے۔ محض شہر گل کو اس ماحول کا شکار ہونے سے بچانے کی خاطر میں نے ہی تمہارے سامنے پیپر میرج کی شرط رکھی تھی، مگر مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کی مظلومیت بھی تمہیں پگھلا نہیں پائے گی۔" بابا جان نے سارا قصور خود پر لے لیا تھا۔ وہ سر جھکائے شرمسار اور ہارا ہوا سا بیٹھا تھا۔

"پولیس میں رپورٹ تو نہیں کی تم نے؟" تھوڑی دیر کے بعد بابا جان نے پوچھا تو اس نے آہستہ سے نفی

میں سہلا دیا۔
"اب۔۔۔ کیا سوچا ہے تم نے اپنی زندگی کے متعلق؟" زرین نے نرمی سے پوچھا تو جیسے تمام الفاظ گم ہو گئے۔ اگر وہ بتا دیتا کہ ان گزرے نو گھنٹوں میں اس کی ذہنی و قلبی ماہیت کس طرح بدل گئی ہے تو شاید وہ بھی بھی یقین نہیں کرتے۔
"روما سے شادی کرنا چاہتے ہو تم؟" بابا جان کا لب و لہجہ بھی بہت سرد اور بے اعتنائی لیے ہوئے تھا۔ وہ حیرت زدہ ہونے لگا۔
شہر گل کی گمشدگی کو پس پشت ڈالے وہ اس کے "پلانز" پوچھ رہے تھے۔
"وہ چیپٹر تو کلوز ہو چکا بابا جان! مگر شاید میں نے ہی قدرت کا اشارہ سمجھنے میں دیر کر دی۔" وہ دکھ کے حصار میں تھا۔
ایک پل کے لیے بھی تو شہر گل کی صورت نظروں کے سامنے سے نہیں ہٹی تھی۔ جانے اللہ نے اس کے لیے یہ کیسی سزا رکھی تھی۔ چند گھنٹوں میں اس کے دل میں شہر گل کی محبت ڈال دی مگر اب وہ نہیں تھی۔
"تو پھر اب تم کیا چاہتے ہو؟ ان چاہا بوجھ تو اتر ہی چکا ہے تمہارے سر سے۔" بابا جان کے لب و لہجے کی تلخی اس کی شکستگی دیکھ کر بھی کم نہیں ہوئی تھی۔
"میں کیا چاہوں گا بابا جان! اور اگر میری چاہت پر مجھے کچھ ملنا ہی ہے تو مجھے شہر گل چاہیے۔" وہ بکھر سا گیا تو زرین نے اٹھ کر اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے اسے اپنے مشفق وجود میں سمیٹ لیا۔
"میں اس کے ساتھ اتنا برا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا ماما! اس نے مجھے بہت بڑی سزا دی ہے مگر شاید میں اسی قابل تھا۔ اس کے قابل نہیں تھا، تب ہی اللہ نے مجھے اس کی زندگی سے نکال دیا۔ میں نے بھی حویلی والوں کا سا ہی سلوک کیا اس کے ساتھ۔ نہ بسایا اور نہ بسنے دیا۔"
بہزاد شاہ اپنے موبائل سے کسی کو میسج کر رہے تھے۔
"ہمیں پولیس میں رپورٹ کروینی چاہیے بابا جان! میں ہر حال میں اسے پانا چاہتا ہوں۔" وہ اٹل انداز میں بولا تو انہوں نے اتنے عرصے میں پہلی بار نرمی سے کہا۔
"تمہاری حالت ٹھیک نہیں۔ تم فریش ہو جاؤ۔ میں اپنے جاننے والے افسران سے کنٹیکٹ کرتا ہوں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں بہتر ہی ہو گا۔" وہ وہاں سے اٹھنا نہیں چاہتا تھا مگر زرین کے اصرار پر نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے کمرے میں چلا آیا۔
اپنی جلتی آنکھیں اور اعصابی تناؤ اسے بہت اچھی طرح محسوس ہو رہا تھا اور سر کا درد برداشت سے باہر۔
واش روم میں گھس کر چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے تو اسے لگا آنکھوں میں جیسے کسی نے شیشے کی کرچیاں بھر دی ہوں۔ کتنی ہی دیر وہ چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتا رہا تھا۔ تب کہیں جا کر اسے اپنی کیفیت قدرے بہتر لگی تھی۔
فریش ہو کر وہ باہر نکلا تو زرین اس کے کمرے میں موجود تھیں۔
"کھانا تو نہیں کھایا ہو گا تم نے سارا دن؟" ان کے انداز میں تشویش تھی۔
"میں پہلے شہر گل کو ڈھونڈنا چاہتا ہوں ماما!" وہ ایک مسلسل اذیت کا شکار تھا۔
"ڈونٹ وری۔ تمہارے بابا تمہارے ساتھ ہیں۔ وہ اپنے تمام واقف افسران سے بات کر چکے ہیں۔ بہت جلد وہ مل جائے گی۔ ہم اسے سڑکوں پر تو نہیں ڈھونڈ سکتے نا۔"
زرین نے اس کی پیشانی پر بکھرے بالوں کو پیار سے سمیٹا تو وہ تھکے ہارے انداز میں بستر پر گر سا گیا۔
"وہ مل جائے گی نا ماما!"
"اگر تمہارے دل میں واقعی اس کے لیے چاہت ہے تو وہ ضرور مل جائے گی، مگر پھر ہمیشہ اس کی قدر ضرور کرنا اویس!" انہوں نے پُریقین انداز میں کہا تو اس کا دل بے اختیار محوِ دعا ہو گیا۔
کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تو وہ چونکا۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے سہلاتے ہوئے زرین اٹھی تھیں، پھر وہ تو کمرے سے چلی گئیں مگر جو شخصیت کمرے میں داخل ہوئی اسے دیکھ کر وہ

اپنی جگہ بے جان سا بیٹھا رہ گیا تھا۔

"شہر گل!" بدقت تمام اس کے ہونٹوں نے بے جان سرگوشی کی۔ وہ آہستگی سے چلتی گھٹنوں کے بل اس کے پیروں میں بیٹھ گئی۔ وہ ابھی تک بے یقینی کی گرفت میں تھا جسے گھنٹوں وہ پاگلوں کی طرح ڈھونڈتا رہا تھا۔ وہ اس قدر غیر متوقع طور پر اس کے سامنے آگئی تھی۔ اس کی خوبصورت آنکھیں متورم تھیں۔ جیسے وہ گھنٹوں روتی رہی ہو۔

"میں آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔" اس کی آنکھوں میں پھر آنسو بھر آئے تھے۔ رندھے ہوئے لہجے میں بولی تو وہ کسی ٹرانس کی سی کیفیت سے آزاد ہوا۔

"کہاں تھیں تم؟" اس کے شانوں کو سختی سے جکڑے وہ وحشت زدہ سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"پتہ ہے میں پچھلے نو گھنٹوں سے مسلسل تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ میری ذہنی حالت تباہ کر دی ہے اس سوچ نے کہ کہیں تمہیں کچھ ہو نہ جائے اور تم کبھی مجھے مل نہ پاؤ گی۔"

"میں آپ کی راہ کھوٹی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں چاہتی تھی آپ روما سے کیا ہر قول نبھائیں' اسی لیے تو میں چلی گئی تھی زوباریہ کے پاس۔ وہیں سے بابا جان کو فون کیا تو انہوں نے مجھے وہیں ٹھہرنے کو کہا مگر کچھ دیر بعد ہی زوباریہ کے پاس آنے والی آپ کی مسلسل فون کالز سے اندازہ ہوا کہ میرے رب کو کچھ اور ہی منظور تھا' اسی لیے تو......"

وہ رندھی ہوئی آواز میں کہتے ہوئے رک سی گئی اور پلکیں اٹھا کر اویس کی طرف دیکھا تو اسے پوری طرح اپنی طرف متوجہ پا کر کنفیوز سی ہو گئی۔

"اسی لیے تو...... کیا؟"

تمام تفصیل سننے کے بعد وہ قدرے پرسکون ہوا تھا مگر اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔ وہ ابھی تک اسے شانوں سے تھامے اس کی جانب قدرے جھک کر بیٹھا تھا۔

اب جبکہ حقیقت سامنے تھی تو اتنی سی قربت بھی شہر گل کو نروس کرنے لگی۔

"اور تم...... زوباریہ کے گھر چھپ کر میرا تماشا دیکھتی رہیں۔ ایسا سلوک کرتے ہیں شوہر کے ساتھ۔" وہ ڈپٹ کر پوچھ رہا تھا۔

"شوہر......!" اسے جھٹکا سا لگا۔

بے یقینی سے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تو وہ دھیرے سے بولا۔

"میرے رب کو کچھ اور ہی منظور تھا' اسی لیے تو میرا دل تمہاری طرف پلٹ آیا' ورنہ روما نے مجھے تمہاری وجہ سے ریجیکٹ کیا تو میں بھی تمہیں اس غصے میں ریجیکٹ کر دیتا' لیکن اس ریجیکشن کی وجہ سے میرے اندر کی کھڑکی کھل گئی۔ تب مجھے لگا کہ میری زندگی میں بھی ایک اچھی لڑکی کی کمی ہے اور تم بہت اچھی لڑکی ہو۔" صاف گوئی سے کہتے کہتے اویس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

اور اس غیر متوقع خوشی کو سنبھالنے کی کوشش میں ناکام ہوتی وہ رو پڑی۔

"میں نے جب بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اپنے لیے کبھی نہیں مانگا۔ فقط آپ کی خوشیوں کی التجا کی اور خدائے بے نیاز نے میرے دست بے طلب میں اپنی رحمتوں کے پھول رکھ دیے۔" اس نے بازوؤں سے تھام کر اسے اٹھاتے ہوئے اپنے پاس بٹھا لیا اور انگلیوں کی پوروں سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

"میں یہ نہیں کہوں گا کہ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ ہاں اتنا ضرور سچ ہے کہ میرے سوچنے کا انداز بدل گیا ہے۔ میں تمہیں قول دیتا ہوں کہ تم سے محبت ضرور کروں گا اور تم جانتی ہو کہ میں اپنے قول کا کس قدر پکا ہوں۔"

آخر میں اس کے لہجے میں شرارت سی در آئی تو وہ محجوب سی ہو کر خود میں سمٹنے لگی۔

"اب آپ ایسی باتیں تو مت کریں مجھ سے۔" وہ کسمسا کر معصومیت سے بولی تو اویس شاہ نے بے اختیار قہقہہ لگایا اور لاؤنج میں بیٹھی زرین اپنے شوہر کی طرف دیکھ کر مسکرا دیں وہ جان گئی تھیں کہ بہاروں نے ان کے آنگن میں قدم رکھ دیے ہیں۔

☆